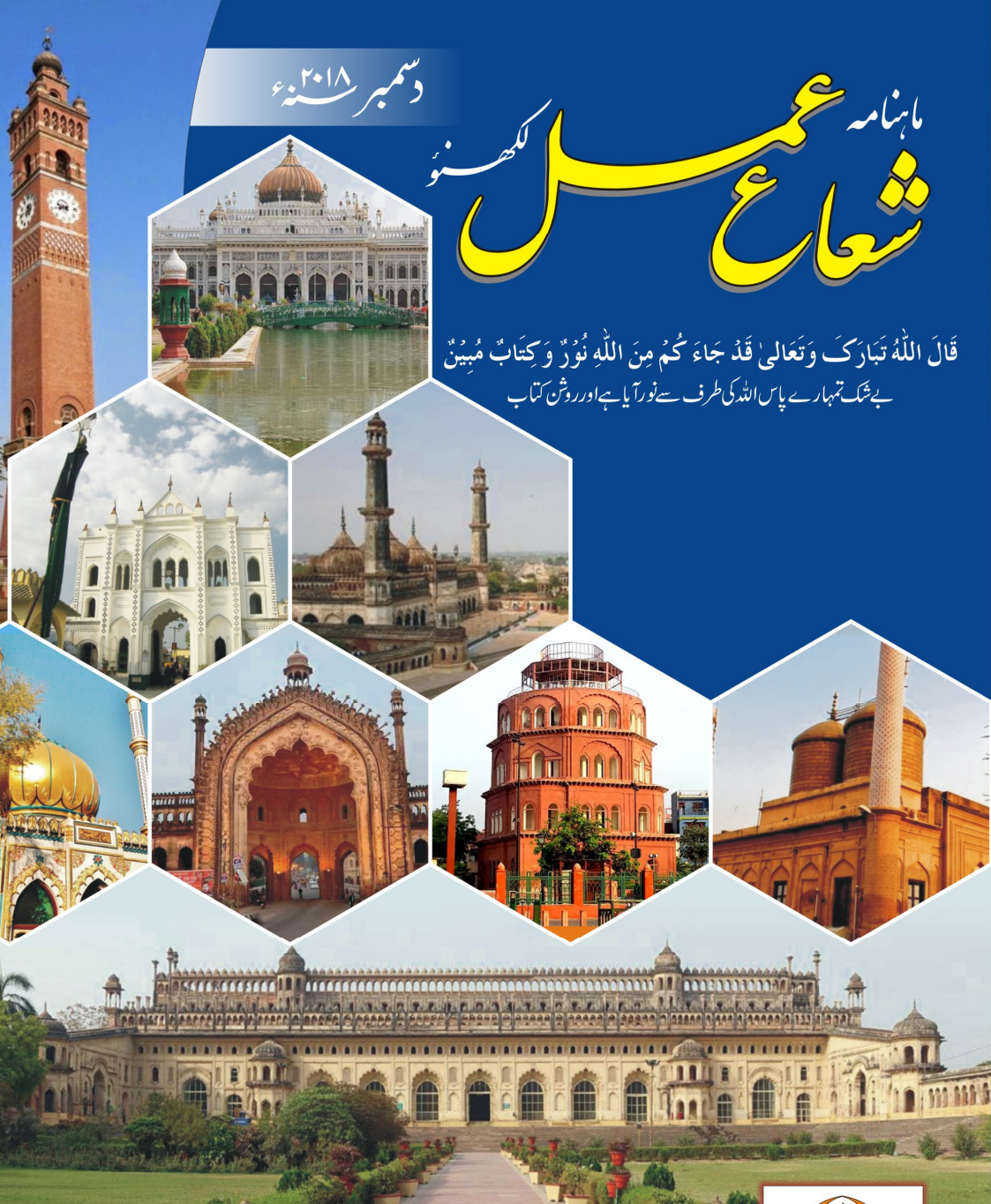


دسمبر ۲۰۱۸ء

ماہنامہ شمع لکھنؤ

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور روشن کتاب



نور ہدایت فاؤنڈیشن، حبیبیہ غفران آباد، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳



ISSN: 2456-8384

Vol: 15, Issue-6

R.N.I. No. UPBIL/2004/13526

Pages: 76

Postal Regd. No. SSP/LW/NP-75/2017-19

Dispatch Date: 2 & 6 of Every Month

Annual Subscription Rs. 200/-

December - 2018

Per Copy Rs. 25/-

SHUA-E-AMAL

Lucknow

शुआ-ए-अमल

हिन्दी, उर्दू मासिक पत्रिका लखनऊ



صدر العلماء آیتہ اللہ سید باقر نقوی ابن ممتاز العلماء آیتہ اللہ سید ابوالحسن نقوی

ولادت: بمقام لکھنؤ، ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء



NOOR-E- HIDAYAT FOUNDATION

Imambara Ghufuran Maab, Maulana Kalbe Husain Road, Chowk, Lucknow-3 (U.P.) INDIA, Phone : 225223

ISSN 2456-8384

تہذیب

Per Copy 25/-
Annual 200/-

نور ہدایت فاؤنڈیشن کا
اسلامی، علمی اور تحقیقی

ماہنامہ
شعاعِ عمل
دسمبر ۲۰۱۸ء

زیر سرپرستی

قائد ملت حجة الاسلام والمسلمین

پروفیسر مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب قبلہ (امام جمعہ لکھنؤ)

عزت مآب سید احمد عباس نقوی صاحب، ممبئی

سید مصطفیٰ حسین نقوی 'اسیف جانی'

قائم مہدی نقوی تہذیب نگروں، تفضل رضوی، چھوٹی

محمد مظفر شاکری، کشمیر، مہدی رضا

ترسیل زر کا پتہ

نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران مآب، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳

Phone No: 0522-2252230

Mobile No: 08736009814, 09335996808

پبلشر۔ پرنٹر، سید مصطفیٰ حسین نقوی نے مالک ایس۔ کلب جواد نقوی کے لئے نظامی پریس و کٹوریہ اسٹریٹ، اپوزٹ حسین مارکیٹ چوک لکھنؤ (یو۔ پی)
سے چھپوا کر نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران مآب، مولانا کلب حسین روڈ، چوک لکھنؤ (یو۔ پی) سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: سید مصطفیٰ حسین نقوی



جلد ۱۵
شمارہ ۶

قیام مؤسسہ

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ / ۱۶/ جولائی ۲۰۰۳ء

اجزاء جویدہ

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ / ۱۶/ جولائی ۲۰۰۴ء

نگراں: م۔ ر۔ عابد گولہ، لکھنؤ

مجلس مشاورت

- پروفیسر علامہ علی محمد نقوی، علی گڑھ
- دکتر مہدی خواجہ بیرکی، ایران
- مولانا حسن ظفر نقوی، کراچی
- کیپٹن سکندر رضوی، لکھنؤ
- پروفیسر سید حسین کمال الدین اکبر، الہ آباد
- سید افتخار حسین رضوی انقلابی، بارہ بنگی
- ڈاکٹر ارشد علی جعفری، لکھنؤ
- کاظم عباس خاں قی، عظیم گڑھ
- شاعر اہل بیت رضا سرسوی
- سید سیف تقی نقوی، دہلی
- الحاج محمد عالم صاحب، حسین آباد، لکھنؤ

فہرست مضامین

(دسمبر ۲۰۱۸ء / ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ)

مجلس ادارت

ڈاکٹر امانت حسین نقوی

حیدر عباس نقوی، الہ آباد

واصف احمد نقوی "سمیر"

اشتر عباس نقوی، اورنگ آباد

فیروز علی، کوپانج، منو

ذوالفقار حیدر اعظمی

الحاج مرزا ہمایوں قدر

ڈاکٹر عارف عباس لکھنؤ

ریحان عالم، لکھنؤ

سلمان حسین، لکھنؤ

بنت زہراء ندی الہندی

الحاج فرید مہدی رضوی

ظفر حسین رضوی بیورو چیف ممبئی

عرفان حیدر، بیورو چیف مدھیہ پردیش

کیف تقی نقوی، بیورو چیف دہلی

R.N.I. NO.
UPBIL/2004/13526
Postel Regd. NO.
SSP/LW/NP-75/2017-2019

WEBSITE:

www.noorehidayatfoundation.org
www.naqeeblucknow.com

E_mail:

noorehidayat@yahoo.com
noorehidayat@gmail.com

زرسالانہ

ایک سال کے لئے: 200/-

پانچ سال کے لئے: 800/-

لائف ممبر شپ: 5000/-

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	(اداریہ)	سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیف جاسی	۵
۲	مجاہدہ کربلا (قسط - ۴)	آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی تقی نقوی	۶
۳	فلسفہ معجزہ (قسط - ۱)	حکیم الامت علامہ ہندی آیت اللہ سید احمد نقوی	۲۲
۴	لفظوں کی ہجرت	مولوی سید قائم مہدی نقوی ساحرا جتہادی	۴۳
۵	مرثیہ/ماں (بند/۲۰)	بنت زہرا نقوی ندی الہندی	۵۰
۶	مرثیہ/باپ (بند/۲۰)	بنت زہرا نقوی ندی الہندی	۵۳
۸	مرثیہ در حال اہل حرم (بند/۱۵)	شاعر اُتی صادق علی نقوی "چھنگا صاحب" حسین	۵۶
۹	خبرنامہ	(ادارہ)	۵۸

ماہنامہ 'شعاع عمل'

(ہندی وارڈو)

'خاندان اجتہاد نمبر'، روزنامہ نقیب لکھنؤ

اور نور ہدایت فاؤنڈیشن کے تمام مطبوعات ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے

لاگ آن کریں ہماری ویب سائٹ

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

ماہنامہ "شعاع عمل" لکھنؤ

دسمبر ۲۰۱۸ء

سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی نقوی نور اللہ مرقدہ

ماہنامہ شیوع ہوتا ہے	حیاء پھر سے طلوع ہوتا ہے
ذہن اور دل کو تازگی دینے	علم و حکمت کی روشنی دینے
بہر فکر و شعور حاضر ہے	پھر حضور حضور حاضر ہے
سب مضامین و شعر عالی ہیں	صفحہ صفحہ لئے لالی ہیں
سید عالم کی تحریریں	دیتی رہتی ہیں سب کو تنویریں
نام جن کا علی نقی نقوی	جن سے ڈرتے ہیں دشمنان علیؑ
دنیا بھر میں لقب کا ہے شہرہ	واقعاً تھے وہ سید العلماء
کیا ادیب و خطیب و شاعر تھے	عالم و نافتد و مفسر تھے
تھے مورخ بھی اور محقق بھی	تھے وہ استاد پر مدقق بھی
سبھی کچھ تھے وہ سہ (۳) زبانوں میں	زندگی انکی ہے زمانوں میں
بالیقیں تھے وہ افق و اکرم	یعنی برّ صغیر کے اعلم
علم و کردار سے وہ زندہ ہیں	اپنے افکار سے وہ زندہ ہیں
پانچ سو ہیں کتابیں رخشندہ	حشر تک وہ رہیں گے تابندہ
علم و تحقیق کے ہیں جو منہ زند	انکے نسخوں سے سب ہیں صحت مند
اور جو ان سے حد کے ہیں بیمار	وہ نظر کیا بصر کے ہیں نادار
پہلے جتنے حد کے شائق تھے	حساد و مفسد و منافق تھے
برص منکری کے میزبان سے تھے	بونے ناراض آسمان سے تھے
خیر سب مر گئے خدا کی قسم	سب بد اختر گئے خدا کی قسم
تب بھی سورج تھے سید العلماء	اب بھی سورج سے سید العلماء
ایک دنیا تھی مستفیض ان سے	نیک دنیا تھی مستفیض ان سے
کل بھی اور آج، ان کا ہے شہرہ	اور کل بھی بجے گا یہ ڈنکا
انکے دشمن ہوئے ہیں سب ناکام	حسادوں کا برا ہوا انجام
حبا بجا ذکر سید العلماء	چھا گیا ذکر سید العلماء
یہ شہر خدمتِ حسینؑ کا ہے	یہ صلہ نصرتِ حسینؑ کا ہے

اسیف جاسی

مجاہدہ کربلا

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقویؒ

پہلو ٹیلوں سے گھرا ہوا تھا ان ٹیلوں کا سلسلہ شمال مشرقی کی طرف سے جدھر اب حرم حسینی کا ”باب السدر“ اور منارہ عبد“ ہے شروع ہو کر غرب کی جانب باب زینب کے حدود تک پہنچتا تھا اور وہاں سے پیچیدہ ہو کر جنوب کی طرف ”در قبلہ“ کے مقام تک آ کر ختم ہوتا تھا۔ ان متصل ٹیلوں کے اجتماع سے ایک نصف دائرہ کی شکل بنتی تھی جو ”ن“ کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔ اس دائرہ میں داخل ہونے کا راستہ مشرقی جہت میں اس جانب سے تھا کہ جدھر روضہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ تحقیقاتی انکشاف سے اب تک یہ بات پائی جاتی ہے کہ ان مکانات کے آثار میں جو قبر امام حسینؑ کے گرد ہیں، شمالی اور مغربی جانب زمین کے قدیمی بلندی و ارتفاع کے آثار موجود ہیں اور مشرقی جانب سوانرم مٹی کے جو پستی کی طرف مائل ہے، کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کی قدیمی صورت ایسی ہی تھی کہ شرق کی جانب سے ہموار اور شمال و غرب کی جانب سے ہلالی شکل پر بلند تھی۔ یہی ہلالی دائرہ وہ ہے جس میں فرزند رسولؐ کو اس موقع پر گھیر لیا گیا تھا، جب کہ آپ کی شہادت ہوئی ہے۔

”نینوا“ اور ”غاضریہ“ کی مغایرت کا پتہ تاریخ کے ان الفاظ سے چلتا ہے کہ قالو ادعنا تنزل فی هذه القرية یعنون نینوا او هذه القرية یعنون الغاضریة او هذه الاخری یعنون شفیہ۔ ”اصحاب امام حسینؑ نے کہا کہ ہم کو اس قریہ میں قیام کرنے دو۔ جس کا نام ”نینوا“ ہے۔ یا اس میں جس کا نام ”غاضریہ“ ہے، یا اس میں جس کا نام ”شفیہ“ ہے۔

حقیقاً یہ متعدد جگہیں تھیں جو باہمی قرب کی وجہ سے ایک بھی سمجھی جاسکتی تھیں اور اس لیے محل وقوع کے اعتبار سے ہر ایک کا نام تعارف کے موقع پر ذکر کیا جانا صحیح قرار پاتا تھا جیسا کہ علامہ سید ہبۃ الدین شہرستانی طاب ثراہ نے ”نہضۃ الحسین“ میں لکھا ہے۔

”نینوا“ جس کا صحیح تلفظ نون کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک قریہ تھا۔ جسے موجودہ زمانہ کے ”سدہ ہندیہ“ کے قریب سمجھنا چاہیے۔ اس کے پہلو میں ”غاضریہ“ تھا۔ یہ قدیمہ بنی اسد کی ایک شاخ ”بنی غاضرہ“ کی طرف نسبت رکھتا ہے۔ اور انہی کا محل سکونت تھا۔ یہ غالباً وہ زمین ہے جو اب ”حسینیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی جگہ ایک قریہ ”شفیہ“ تھا۔ اور یہیں پر ایک قطعہ زمین ”کربلہ“ تشدید لام کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ وہ اب موجودہ شہر کربلا کے مشرقی جانب جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور اس کے متصل ”کربلا“ اور ”عقر بابل“ نام قریہ تھا، جو غاضریات کے شمالی غربی میں واقع تھا۔ وہاں اب کھنڈر ہیں، جہاں بہت سے آثار قدیمہ کا انکشاف ہونے کی امید ہے اور یہ بالکل دریائے فرات کے کنارے پر تھا اور اپنے قدرتی محل وقوع یعنی ٹیلوں سے گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مقابل غاضریات کے دوسری جانب ”نواولیس“ کا مقام تھا جو اسلامی فتوحات کے قبل ایک عمومی قبرستان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سب کے وسط میں زمین ”حیر“ تھی جو اب ”حائر“ کے نام سے معروف ہے، اور جہاں حضرت حسینؑ بن علیؑ کی قبر مبارک ہے۔ ”حیر“ ایک وسیع میدان کی حیثیت رکھتا تھا جو تین طرف سے متصل اور پہلو بہ

اس کے بعد زبیر بن قین کی تقریر لکھی ہے کہ انھوں نے کہا سرینا الی هذه القرية حتى نزل فانها حصينہ وہی علی شاطئی الفرات۔
 ”چلئے اس قریہ میں چل کے قیام کیجئے۔ یہ قلعہ کی صورت سے محفوظ ہے اور فرات کے کنارے ہے۔ امام حسینؑ نے دریافت کیا۔ وایۃ قریۃ ہی ”کون سا قریہ ہے یہ؟“ کہا ہی العقر اس کا نام ”عقر“ ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہم انی اعوذ بک من العقر ”خداوند میں تجھ سے ”عقر“ یعنی بے اولاد ہونے سے پناہ مانگتا ہوں۔

(طبری مطبوعہ مصر ج ۶ ص ۲۳۲)

اس سے ”عقر بابل“ کے قریہ کا پتہ چلتا ہے۔ جس کا نام ”کربلا“ تھا۔ اس ”کربلا“ اور اس کے مقابل ”نواویس“ اور ان دونوں سے محل شہادت امام حسینؑ کی مغایرت کا پتہ اس تقریر کے الفاظ سے چلتا ہے جو امامؑ نے مکہ معظمہ سے روانگی کے موقع پر فرمائی تھی، جس میں فرمایا ہے کائی انظر باوصالی تقطعها عسلان الفلوات بین النواویس و کربلا ”میرے پیش نظر ہے وہ منظر جب میرے جوڑ بند وحشی درندے قطع کر رہے ہوں گے، مقام ”نواویس“ اور کربلا کے درمیان۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ محل شہادت ”کربلا“ اور ”نواویس“ دونوں کے درمیان کا مقام ہے، اور عین ”کربلا“ نہیں ہے۔

بے شک اس مقام ”کربلا“ کی اہمیت کی بناء پر جس کے متعلق ہم نے بیان کیا کہ اس کی محل وقوع کی حیثیت سے ایک محفوظ قلعہ کی شکل تھی، اور وہاں آثار قدیمہ بھی کافی مقدار میں پائے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ پورا یہ علاقہ ”کربلا“ کہا جانے لگا ہو جیسا کہ اکثر ضلعوں اور صوبوں کے اسماء میں ایسا ہوتا ہے۔ خود ہمارے صوبہ میں اصلاً ”اودھ“ ایک خاص مقام تھا جواب ”اودھیا“ کے نام سے موسوم ہے اور اس کے لحاظ سے پورا صوبہ ”اودھ ہو گیا۔

فرات کی اصلی نہر ہماری زبان کے اعتبار سے ”دریائے فرات“ کہنا چاہیئے۔ اسے براہ راست کوئی تعلق اس کربلا کی زمین سے نہیں تھا۔ اس کا خط سیر حلہ، مسیب وغیرہ مقامات سے ہوتے ہوئے کوفہ کے بیرونی حصوں کی جانب جاتا تھا اور ان قریوں کو سیراب کرتا تھا اور کربلا میں اور اس میں بڑا فاصلہ ہے۔ لیکن جیسا کہ علامہ سید ہبۃ الدین شہرستانی نے لکھا ہے اس نہر یا ”دریائے فرات“ سے ایک چھوٹی شاخ مقام ”رضوانیہ“ کے پاس سے نکل کر جدا ہوتی تھی جو کربلا کے شمالی مشرقی جانب کے ریگستان اور نیشیوں سے ہوتی ہوئی اس مقام کے قریب سے گذرتی تھی جہاں حضرت ابو الفضل العباسؑ کی قبر ہے، اور اس کے بعد موجودہ مقام ”ہندیہ“ کے اطراف سے ہوتی ہوئی اس مقام کے مغربی شمالی جانب جس کا نام قریہ ”ذی الکفل“ ہے اصل دریائے فرات سے ملحق ہو جاتی تھی۔ یہ چھوٹی نہر فرات کا ایک شعبہ تھا اور نہر ”علقمہ“ کے نام سے موسوم تھا، اور اسے اپنی اصل کے اعتبار سے ”فرات“ کہا جاتا تھا۔

طف کے معنی ہیں ”نہر کا کنارہ“ خصوصیت سے دریائے فرات کے اس کنارہ کو جو جنوبی پہلو میں ”بصرہ“ سے ”ہیت“ تک تھا۔ ”طف“ کہا جاتا تھا اور اسی مناسبت سے ”فرات صغیر“ یعنی ”نہر علقمہ“ کے اس کنارہ کو جس میں کربلا واقع تھا۔ طفت کہا جانے لگا۔ اور اس وجہ سے کربلا کے واقعہ کو ”واقعۃ الطف“ کہا جاتا ہے، اور کربلا کے لیے خط فرات کی لفظ بھی اسی اعتبار سے قرار پائی ہے۔

دسواں باب

کوفہ میں اطلاع

حسینؑ کربلا میں ٹھہر گئے، ابن زیاد کے فرستادہ ”حر بن یزید“ نے ابن زید کو اس کی اطلاع دی۔

مشہور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص کا بیٹا عمر بن سعد اس وقت ملک عجم میں برپا شدہ بغاوت کی بنا پر جس میں ”دستہ

“کے مقام پر قبیلہ دلم نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے چار ہزار فوج کا سردار بنایا جا چکا تھا، اور ابن زیاد اس کے لیے حکومت ”رے“ کا پروانہ بھی تحریر کر چکا تھا، وہ اس فوج کو لیے کوفہ کے باہر مقام ”حمام العین“ میں خیمہ زن تھا، اور عنقریب روانہ ہونے والا تھا۔

اب امام حسینؑ کا معاملہ جو پیش آیا تو ابن زیاد نے عمر سعد کو مامور کیا کہ پہلے اس مہم کو سر کر لو پھر اپنے مقصد کے لیے روانہ ہونا۔

ابن سعد کو جرم کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجھ کو کس سے لڑنے کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے معاف کیجئے تو بہت بہتر ہے ابن زیاد نے کہا، اچھا مگر ہمارا پروانہ حکومت رے کا واپس کر دو۔“

عمر سعد کو ”رے“ کی حکومت دل سے عزیز تھی۔ جاہ طلبی اور حق شناسی کے جذبوں میں کشمکش ہوئی۔ اور خواہش دل اور ضمیر میں جنگ۔

عمر سعد کو یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ایک دن کی مہلت مانگنا پڑی، اور عمر سعد نے اپنے مخصوص احباب اور اعزہ سے مشورہ لینا شروع کیا۔ سب نے مخالفت کی اور اس مہم کے لیے جانے سے منع کیا۔ حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ جو اس کا بھانجا تھا، اس کی تقریر یہ تھی کہ انشدك الله يا خال ان تسير الى الحسين فتاثم بربك وتقطع رحمك فوالله لان تخرج من دنياك ومالك وسلطان الارض كلها لو كان لك خير لك من ان تلقى الله بدم الحسين ﷺ۔

”میں آپ کو قسم دیتا ہوں خدا کی کہ آپ حسینؑ سے جنگ کو نہ جائیے اور گناہگار ہونے کے ساتھ ساتھ رشتہ قربابت قطع کرنے کے مرتکب نہ ہو جیئے۔ خدا کی قسم اگر تمام دنیا اور مال و دولت اور عالم بھر کی سلطنت آپ کے قبضہ میں ہو اور پھر وہ نکل جائے تو بہتر ہے اس سے کہ آپ حسینؑ کے خون کا بار

اپنی گردن پر لیجئے۔“

(طبری ج ۶ ص ۲۳۳)

یہ وہ پہلو تھا جسے سچے مشیر کا رپیش کر رہے تھے، لیکن دوسری طرف جاہ طلبی کا جذبہ یہ پہلو پیش کر رہا تھا کہ ابن زیاد نے پروانہ حکومت اگر واپس لے لیا تو کیا ہوگا؟ رے کی اتنی بڑی حکومت ہاتھ سے جائے گی۔ ہم چشموں میں ذلت برداشت کرنا پڑے گی۔ اتنے بڑے منصب سے محروم ہونا پڑے گا اور پھر جب کہ حسینؑ کے قتل کا جو کچھ جرم ہے اس کا نتیجہ مرنے کے بعد نمایاں ہوگا جو معلوم نہیں صحیح بھی ہے یا نہیں، اور اس صورت میں جو نتیجہ ہے وہ وقتی ہے۔ رے کی نقد حکومت چھوڑ کے آخرت کے راحت و آرام کی امید باندھنا کسی سمجھدار آدمی کا کام نہیں ہے۔ یہی وہ خیالات تھے جن کو اس کے منظوم اشعار تاریکی شب کے پردہ میں بستر تنہائی پر جبروت و اضطراب کی کروٹوں کے ساتھ ظاہر کر رہے تھے۔ (۱)

آخر دنیا کی وقتی دلفریبی غالب ہوئی اور اس نے رسولؐ کے فرزند سے جنگ پر کمر باندھ لی۔

بے شک ضمیر کی چٹکیوں نے ایک آخری مرتبہ اس کو ابن زیاد سے ظاہری انکار پر مجبور کیا کہ شاید اسی مرتبہ بغیر کسی دنیوی نقصان کے قتل حسینؑ کے جرم سے نجات مل جائے اس نے ابن زیاد سے آکر کہا کہ آپ مجھ کو ”دستی“ اور ”دلم“ کے حدود کی طرف جانے پر مامور کر چکے ہیں، لوگوں کو اس کا علم بھی ہو گیا ہے۔ اور میری فوج والوں نے بھی وہیں جانے کی تیاری کی ہے۔ بہتر ہے کہ آپ مجھ کو ادھر روانہ کیجیے اور حسین بن علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کسی اور کو اشرف اہل کوفہ میں سے جو کسی طرح شخصیت و شہرت اور فن سپہ گری و مہارت جنگ میں مجھ سے کم نہیں ہیں روانہ کر دیجیے۔ عمر سعد نے چند آدمیوں کا سردار ان کوفہ میں سے نام بھی لیا۔ لیکن ابن زیاد

(۱) اصل اشعار کے لیے ملاحظہ طلب ہمارا رسالہ ”قاتلان حسینؑ کا مذہب“

برہم ہو گیا، اس نے کہا کہ تمہیں سردارانِ کوفہ کے نام مجھے گنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور مجھے اگر کسی کو بھیجنا ہو تو تمہارے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی کہو اگر تمہیں ہماری فوج کے ساتھ جانا ہے تو جاؤ، نہیں تو ہمارا پروانہ جو حکومت رے کے متعلق ہے، واپس کر دو۔

عمر سعد نے دیکھ لیا کہ بے شک سوال دین و دنیا کا ہے اور سخت ہے۔ کہا کہ اچھا جاؤں گا۔

چنانچہ وہی چار ہزار کی فوج جو ملک ایران جانے پر کمر بستہ موجود تھی۔ لے کر وہ روانہ ہو گیا، اور امام حسینؑ کے ورود کر بلا کے دوسرے ہی دن یعنی تیسری محرم کو کر بلا میں پہنچ گیا۔

(طبری جلد ۶ ص ۲۳۳، الاخبار الطول ص ۲۵۱)

گیارہواں باب کوششِ صلح

عمر سعد کا دل حسینؑ بن علیؑ کی جنگ سے پہلے ہی لرزاں تھا۔ کر بلا آ کر اس نے معاملات کے روبہ اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ عزہ بن قیس اُحسی سے کہا کہ وہ امام حسینؑ کے پاس جا کر آپ کے مقصد، نصب العین اور نقطہ نظر کو دریافت کرے۔

اتفاق سے عزہ بن قیس ان لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے امام حسینؑ کو دعوتی خطوط لکھے تھے، اور کوفہ کی طرف آپ کے آنے کی خواہش کی تھی۔ اس کو آپ کے پاس جانے سے اور اس قسم کی گفتگو کرنے سے شرم دامن گیر ہوئی۔ اور اس نے صاف انکار کیا کہ میں نہیں جاؤں گا۔

دوسرے ایسے ہی اشخاص کہ جو خطوط لکھ چکے تھے، انہیں بھی جانے میں اس صورت سے توقف ہوا۔ اور آخر کثیر بن عبد اللہ شعبی ایک درشت خو، سخت مزاج انسان یہ کہتا ہوا سامنے آیا کہ میں جانے پر تیار ہوں، بلکہ اگر مجھے حسینؑ کے قتل

کرنے کا حکم ہو تو میں اس مہم کو ابھی انجام دے دوں۔ عمر سعد نے کہا نہیں یہ تو مجھے منظور نہیں ہے۔ تم بس جا کر اتنا دریافت کر لو کہ آپ اس ملک میں آئے کس لیے ہیں؟ کثیر لشکر امام کی طرف روانہ ہوا۔ بہادر ابو ثمامہ صاندی جو شاید اس وقت خیمہ امام حسینؑ پر پہرہ دے رہے تھے، انہوں نے دور سے دیکھ لیا، اور امامؑ سے عرض کیا کہ آپ کی طرف بڑا پر جگر لیکن بدترین خلق خدا انسان اور انتہائی سفاک و خوں ریز شخص آ رہا ہے۔

اس کے بعد آئے اور کثیر کو روک کر ہتھیار کھول کے رکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ میں پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم اس پیغام کو سنو تو میں کہہ دوں، نہیں تو واپس جاؤں گا۔

وفادار اور امامؑ کی سلامتی کے خیر خواہ و جاں نثار ابو ثمامہ کو کسی طرح یہ گوارا نہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی اس صلح شوری کے ساتھ ساتھ اسلحہ لے کر امام کے پاس جائے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا کم از کم میں تمہاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا اور اس طرح تم کو لے جاؤں گا۔ شیطنت مزاج انسان نے کسی طرح اس کو نہ مانا اور کہا کہ ہرگز نہیں تم میری تلوار کو ہاتھ بھی لگانے نہ پاؤ گے۔ ابو ثمامہ نے کہا۔ ”تو پھر تم اپنا پیغام مجھ سے ہی کہہ دو، میں اس کا جا کر جواب لے آؤں گا۔ تمہیں میں اس طرح سے قریب نہیں جانے دوں گا۔“

آخر آپس میں سخت کلامی ہو گئی، اور کثیر واپس ہو گیا عمر سعد کو تمام واقعہ سے مطلع کیا۔ اس نے قرہ بن قیس حنظلی کو بلایا اس سے کہا کہ تم جا کر دریافت کر لو کہ آپ اس سرزمین پر کس لیے آئے ہیں۔

چنانچہ قرہ بن قیس روانہ ہوا، امامؑ نے جو اسے آتے دیکھا دریافت فرمایا تم لوگ اس کو پہنچانتے ہو؟ حبیب بن مظاہرؑ نے کہا ”جی ہاں، یہ ایک شخص ہے قبیلہ حنظلہ کا بنی تمیم میں سے، اور اپنی نھیلی رشتہ داری سے ہمارا عزیز ہوتا ہے۔ میں ایک عرصہ سے اس کو جانتا ہوں، اور سنجیدہ اور فرزانه شخص

سمجھتا تھا۔ مجھے یہ خیال نہ تھا کہ یہ اس موقع پر جنگ کے لیے ہمارے مقابل آئے گا۔“

وہ آیا، امام حسینؑ کی خدمت میں تسلیم بجالایا، اور عمر سعد کا پیغام پہنچایا۔ حضرت نے فرمایا کتب الی اہل مصر کم هذا ان اقدم فامّا اذ کر ہونی فانّا انصرف عنہم۔
”مجھ کو تمہارے شہر کے لوگوں نے لکھا تھا کہ میں آؤں لیکن اب جب کہ وہ میرا آنا ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس چلا جاؤں گا۔“

حبیب بن مظاہرؓ کو موقع تبلیغ کامل گیا تھا، کہنے لگے، اے قرۃ بن قیس ظالم جماعت کی طرف کہاں واپس جاتے ہو۔ آؤ اور اسی مظلوم کی مدد کرو، جس کے بزرگوں کی بدولت تمہاری اور ہماری ہدایت ہوئی ہے۔ قرۃ نے کہا میں جو پیغام لایا تھا اس کا جواب پہنچا دوں، پھر غور کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“ وہ گیا اور عمر سعد سے پورا جواب امام حسینؑ کا بیان کیا۔ جواب انتہائی روادارانہ و صلح پسندانہ تھا۔ عمر بن سعد کو بھی توقع قائم ہوئی کہ اب صلح ہو جائے گی۔ اس نے عبید اللہ بن زیاد کے نام خط لکھا:-

اما بعد فانی حیث نزلت بالحسین بعثت الیہ رسولی فسالت حمّا اقدمہ دما ذا یطلب ویسأل فقال کتب الی اهل هذه البلاد واتتنی رسلهم فسأ لونی القدوم ففعلت فامّا اذ کر ہونی فبدالہم غیر ما اتتنی بہ رسلہم فانّا منصرف عنہم۔

”میں نے یہاں پہنچ کر حسینؑ کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا اور دریافت کیا کہ وہ کیوں آئے ہیں، اور کیا چاہتے ہیں، کیا مطالبہ کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ اس ملک کے لوگوں نے مجھ کو لکھا تھا اور میرے پاس ان کے قاصد گئے تھے، اور مجھے ادھر آنے کی دعوت دی تھی، لیکن اب جب کہ وہ میرا آنا ناپسند کرتے ہیں اور ان کے خیالات میں تبدیلی ہو گئی ہے تو میں جہاں سے آیا

ہوں ادھر ہی واپس چلا جاؤں گا۔ خط پہنچا، ابن زیاد نے پڑھا اور غرور، دنیا کے گھمنڈ اور تکبر، فرعونیت اور ذوق ظلم و سفاکی کے ساتھ یہ شعر پڑھ کر اپنی تاریک ذہنیت کا ثبوت دیا۔

الآن اذ علقت محالبنا بہ
یرجو النّجاة ولات حین مناص
”اب جب کہ! ہمارے چنگل ان تک پہنچ گئے ہیں، وہ نجات کے طالب ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اب وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے۔“

اس قسم کے واقعات وہ ہوتے ہیں، جن میں امن پسندی اور فتنہ جوئی، سلامت روی اور جفاکشی، دونوں متضاد مرفع انسان کے سامنے آ جاتے ہیں اور اسے موازنہ کا اچھی طرح موقع ملتا ہے۔ ابن زیاد نے عمر سعد کو خط لکھا۔

امّا بعد فقد بلغنی کتابک و فہمت ما ذکرک فاعرض علی الحسین ان یرید بن معاویۃ ہو و جمیع اصحابہ فاذا فعل ذلک رائینا والسلام۔

”خط پہنچا اور حال معلوم ہوا۔ تم حسینؑ کے سامنے یہ سوال پیش کرو کہ وہ اور ان کے تمام اصحاب یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں۔ جب وہ ایسا کر چکیں گے تو پھر ہم اپنی رائے قائم کریں گے۔“

ابن زیاد کی فتنہ پسندی اس خط سے اتنی ظاہر تھی کہ عمر سعد بھی بیساختہ اس کا اظہار کر بیٹھا۔ اسے معلوم تھا کہ بیعت یزید کا سوال حسینؑ بن علیؑ کے سامنے پیش کرنا گویا کفر و شرک کے ارتکاب پر اصرار کرنا ہے۔ وہ حسینؑ کی مذہبی خودداری سے ناممکن سمجھتا تھا کہ وہ یزید ایسے فاسق و فاجر کی بیعت کریں۔ اس نے ابن زیاد کا خط پڑھ کر کہا۔

قد حسبت ان لا یقبل ابن زیاد العافیۃ۔
”اب میں سمجھ گیا کہ ابن زیاد امن و سکون کا

خواہاں نہیں ہے۔“ لیکن پھر بھی اس نے یہ کیا کہ ابن زیاد کا خط امام حسینؑ کے پاس بھیج دیا امام حسینؑ بے شک اپنے باپ کا دل اپنے سینہ میں رکھنے والے ہیں جو کہا کرتے تھے کہ مجھے موت سے وہ محبت ہے جو بچہ کو شیر مادر سے ہوتی ہے، وہ اس سوال بیعت کا کیا جواب دیتے، فرمایا:-

”لا احبیب ابن زیاد الی ذالک ابدافہل ہوا لا الموت فمر حبابہ۔

”میں ہرگز ابن زیاد کے اس مطالبہ کو پورا نہیں کروں گا زیادہ سے زیادہ موت ہی تو ہے۔ میں اس کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ (الاخبار الطوال ص ۲۵۲)

بارہواں باب فوجوں کی چڑھائی

حر کے ساتھ ایک ہزار کی فوج بھی جو پہلے ہی سے موجود تھی۔ عمر سعد کے ساتھ بھی چار ہزار کا لشکر آیا۔ یہ پانچ ہزار ہوئے۔ تن تنہا حسینؑ بن علیؑ اور ان کے گنتی کے ساتھیوں کے مقابلہ کے لیے یہ تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ مگر حسینؑ کی خاندانی شجاعت اور ان کے ساتھیوں کے حقانی زور و طاقت کا ابن زیاد کے دل میں کیا دھڑکا سما یا ہوا تھا کہ وہ فوج کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو کم سمجھتا رہا۔

ابن سعد نے امام حسینؑ کا جواب ابن زیاد کو لکھ دیا جس پر اس کا غصہ برفروختہ ہو گیا۔ وہ خود اپنے تمام شتم و خدَم کے ساتھ کوفہ سے باہر خلیہ میں آ کر خیمہ زن ہو گیا اور بڑے بڑے سرداران کوفہ حصین بن تمیم، حجار بن الجبر، شیبث بن ربیع وغیرہ کو مامور کیا کہ وہ عمر سعد کی امداد کو جائیں۔

مجھ کو لشکر کی اس تعداد سے بحث نہیں ہے جو مورخین نے تحریر کی ہے۔ بیس (۲۰) ہزار، بائیس (۲۲) ہزار، تیس (۳۰) ہزار، اسی (۸۰) ہزار، ایک لاکھ دو سو آٹھ لاکھ۔ اور نہ علماء کے اقوال سے بحث ہے جنہوں نے ان میں سے کسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ جیسے علامہ مجلسی نے تیس ہزار کی

روایت کو، اور ابن طاووس نے بیس ہزار اور ابن شہر آشوب نے پینتیس ہزار۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کا صحیح فیصلہ ہمارے لیے ممکن ہی نہیں ہے نہ کوئی باقاعدہ فوج کا حساب ہو رہا تھا، نہ فہرست مرتب تھی۔ نہ کسی حاضر الوقت نے اس کی تعداد بتلائی ہے، اور نہ امامؑ سے کوئی حدیث مذکور ہوئی ہے۔ پھر اس تعداد کو معینہ حیثیت سے مقرر کرنے کا ذریعہ ہی کیا ہے۔ لیکن میں وہ صورتیں پیش کرتا ہوں جو تاریخ نے عام فوجی بھرتی کی قلم بند کر دی ہیں، اور ان سے ایک اجمالی خاکہ کثرت لشکر کا سامنے آجائے گا، جسے انسان اپنے ذہن کے موافق ان روایات میں سے جس کے مطابق سمجھ سکے۔ مجھے اس سے کوئی بحث نہیں۔

میں لکھ چکا ہوں کہ پانچ ہزار فوج تو کر بلا میں گنی ہوئی اور شام کی ہوئی پہلے سے موجود تھی۔ ابن زیاد ظالم و سفاک حاکم، جس کے خوف سے کوفہ کی خلقت لرزہ بر اندام تھی، اس کا یہ جوش و خروش و انہماک بھی دیکھ لیا گیا کہ وہ خود دارالامارہ کو چھوڑ کر خلیہ میں آ کر مقیم ہو گیا، تاکہ خود وہاں افواج کا جائزہ لے اور یہاں سے افواج روانہ کیے جائیں۔

ہماری متعدد پہلے کی کتابوں میں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ حصین بن تمیم کی سرکردگی میں پہلے ہی سے کئی ہزار کی فوج موجود تھی جو قاصد سے لے کر قطقطنہ لعلع اور خفان وغیرہ کے چار طرفہ حدود تک ناکہ بندی کے سلسلہ میں مقیم تھی، انہی میں سے حر کا ایک ہزار کا رسالہ تھا جو امام حسینؑ کو گھیر کر کر بلا میں لایا۔

اب آپ نے ان سرداروں میں کہ جو کر بلا بھیجے جا رہے ہیں۔

حصین بن تمیم کا نام بھی پڑھ لیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پوری کئی ہزار کی فوج کر بلا میں بھیج دی گئی۔

حجار بن ابجر، شیبث بن ربیع، عمرو بن حجاج، وغیرہ بھی

بڑے سردار ہیں۔ ان کو بھی ایک اکیلا سمجھنا چاہیے۔ ان میں سے ہر ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ روانہ ہوتا تھا۔

بے شک، بہت سے ایسے بھی تھے جن کو حسینؑ سے جنگ کو جاننا گوارا خاطر تھا، مگر ابن زیاد کے حکم کے سامنے اپنی ذاتی ناگواری کوئی چیز نہ تھی۔ بعض اشخاص ابن زیاد کو اپنی صورت دکھا کر پھر کوفہ واپس چلے جاتے تھے۔ جس کا ابن زیاد کو خاص طور سے احساس ہو گیا۔ مورخ دینوری کا بیان ہے۔

كان ابن زیاد اذا وجه الرجل الى قتال الحسين في جميع الكثير يصلون الى كربلاء ولم يبق منهم الا القليل كانوا يكرهون قتال الحسين فيرتدعون و يتخلفون فبعث ابن زياد سويد بن عبد الرحمن المنقري في خيل الى الكوفة وامره ان يطوف بها فمن وجده قد تخلف اتاه به فبينما هو يطوف في احياء الكوفة اذ وجد رجلا من اهل الشام قد كان قدم الكوفة في طلب ميراث له فارسل به الى ابن زياد فاصره فصر به عنقه فلما راى الناس ذلك خرجوا۔

”ابن زیاد لوگوں کو بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ حسینؑ سے جنگ کرنے کو بھیجتا تھا، وہ کر بلا پہنچ جاتے تھے۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جو حسینؑ سے جنگ کو ناگوار سمجھتے تھے، اور وہ فوج سے الگ ہو کر کوفہ میں رہ جاتے تھے۔ ابن زیاد نے سويد بن عبد الرحمن منقري کو تھوڑے سے سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو شخص کوفہ میں نظر آئے اور حسینؑ سے جنگ کو نہ کیا ہو اس کو گرفتار کر کے لے آیا جائے۔ سويد نے کوفہ کے قبیلوں میں گردش کی۔

ایک شخص شام کا رہنے والا اپنے کسی متروکہ کے جھگڑے میں کوفہ آیا ہوا تھا، سويد نے اسے پکڑ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دیا اور اس نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ خوف اور

دہشت کا اثر پورے طور سے قائم ہو گیا، اور تمام لوگ حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے باہر آ گئے۔“

(الاخبار الطوال ص ۲۵۲)

اب کیا اس میں کوئی شبہ ہے کہ کوفہ کر بلا میں انڈل آیا اور کر بلا کی زمین فوج کی کثرت سے سمندر کی طرح موجیں مارنے لگی۔

تیر ہواں باب پانی کی بندش

اللہ! ایک وقت وہ تھا کہ خلیفہ ثالث مدینہ کے دارالامارہ میں محصور تھے۔ مصر کے حملہ آور چاروں طرف سے محاصرہ کیے ہوئے تھے، پانی کی کمی ہوئی تو حسینؑ، انہی مظلوم حسینؑ کے پدر بزرگوار علی بن ابی طالبؑ نے مشکیں پانی کی دارالامارہ میں بھجوا دی تھیں، اور انہی حسینؑ اور ان کے بڑے بھائی حسنؑ کو بھیجا تھا کہ دیکھو پانی پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہونے پائے۔

مگر افسوس! دنیا کی ناپینائی اور بے انصافی آج معاملہ کو برعکس کرتی، احسان فراموش خلقت احسان کو جرم بناتی، اور ناکردہ گناہ بلکہ محسن ہستی کو گناہگار بنا کر اپنی جفاکشی کو جوش انتقام کے پردہ میں چھپانا چاہتی ہے۔

ابن زیاد کا غصہ فقط افواج کا سیلاب کر بلا کی سمت روانہ کر دینے پر نہیں تھا۔ اس نے عمر سعد کو خط لکھا کہ حسینؑ اور ان کے اصحاب پر پانی بند کر دو۔ اور انہیں ایک قطرہ بھی پانی کا نہ ملے۔ جیسا کہ مظلوم خلیفہ عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔ (۱)

عمر سعد نے اس خط کو دیکھتے ہی عمر بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کی فوج کے ساتھ گھاٹ پر مقرر کر دیا کہ ایک قطرہ پانی کا حسینؑ اور اصحاب حسینؑ تک پہنچنے نہ پائے۔ تاریخ میں تصریح ہے کہ:-

۱۔ اصل عبارت دونوں کتابوں کے الفاظ میں جو جزئی

تفرقہ ہے اور جو اس خط سے بعض نتائج ہوتے ہیں ان کے لئے ملاحظہ ہو قاتلان حسین کا مذہب

ذٰلِكَ قَبْلَ مَقْتَلِهِ بِغُلَّةِ اِيَّامٍ - ”یہ امام حسینؑ کی شہادت سے تین روز قبل کا واقعہ ہے۔“

(الاخبار الطوال ص ۲۵۳، طبری ج ۶ ص ۲۳۴)

اب حسینؑ، اصحاب و انصار، سراپردہ عصمت کی پیماں اور چھوٹے چھوٹے بچے۔ عرب کا ریگستان ہے، اور پتی ہوئی ریگ کے ذرے۔ پانی نایاب ہے اور پیاس کی طغیانی۔ اس پر زبان کے زخم۔ عبداللہ بن ابی حصین از دی قبیلہ بجیلہ کا ایک شخص فوج عمر سعد سے باہر آتا، پکار کر کہتا ہے۔

یا حسین الا تنظر الى الماء كأنه كبد السماء والله لا تذوق منه قطرة حتى تموت عطشا۔

”اے حسینؑ! یہ پانی نہیں دیکھتے، کس طرح نیلا نیلا آسمانی رنگ کا بہہ رہا ہے مگر بخدا تمہیں اس میں سے ایک قطرہ نہیں ملے گا جب تک کہ پیاس سے تم ہلاک نہ ہو جاؤ۔“

یہ مقامات غیرت الہی کے جنبش میں آنے کے ہیں۔ حسینؑ کا روحانی اقتدار ایسی جگہوں پر مصروف عمل ہو گیا ہے۔

امامؑ نے سر اٹھایا آسمان کی طرف اور کہا۔ اللھم اقتل به عطشا ولا تغفر له ابدا۔ ”خداوند! اسے پیاس سے ہلاک کر اور اس کی کبھی مغفرت نہ فرما۔“

دیکھنے والے اس دعا کی قبولیت کے گواہ ہیں۔ وہ شقی پانی پیتا تھا اور کسی طرح سیراب نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ہلاک ہو گیا۔

(طبری ج ۶ ص ۲۳۴)

چودھواں باب صلح کی دوبارہ گفتگو

عمر سعد کے سابقہ طرز عمل اور گزشتہ حالات سے یہ پتہ ضرور چل گیا ہے کہ وہ اپنے دل سے حسینؑ سے جنگ کا طالب نہیں ہے، لیکن طمع دنیا اس کے پیچھے ہٹتے ہوئے قدموں کو پھر آگے بڑھا دیتی ہے اور وہ صحیح راستے پر آتے آتے بھٹک جاتا ہے۔

ایسی صورت میں لطف الہی کے تحت میں ایک داعی حق پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے جذبہ حق پسندی کو تقویت دینے کی جو امکانی تحریک ہو اس میں دریغ نہ کرے، اور پھر جب کہ امن پسندی کا تقاضا بھی ایسی امکانی کوشش کو ضروری قرار دیتا ہے۔ جس میں حمایت باطل کا پہلو پیدا ہوئے بغیر جنگ و جدل کی آگ فرو ہو، اور خون ریزی تک نوبت نہ پہنچے۔

امام حسینؑ کا طرز عمل ابتدا ہی سے روادارانہ تھا اور اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ آپؑ نے خود اپنی جانب سے عمرو بن قریظہ بن کعب انصاری کو عمر سعد کے پاس بھیجا کہ آج شب کو مجھ سے دونوں طرف کے لشکروں کے درمیان میں مل لینا۔“

عمر سعد کوئی بیس سوار اپنے ساتھ لے کر نکلا، اور امامؑ بھی اتنے ہی ساتھیوں کی معیت میں تشریف لے گئے۔ لیکن جب قریب پہنچے، حضرتؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم علیحدہ ہو جاؤ۔ جس کے بعد عمر سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم لوگ سب ہٹ گئے اس طرح کہ نہ ہمیں بات چیت کی آواز معلوم ہوتی تھی، نہ کوئی بات سمجھ میں آتی تھی۔ گفتگو بڑے رات گئے تک ہوئی اور اس کے بعد دونوں آدمی اپنے اپنے لشکر گاہ کی طرف واپس گئے۔

گفتگو صیغہ راز میں تھی، مگر لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنا ڈالیں۔ یزید کے ہوا خواہوں نے کہا کہ امام حسینؑ نے عمر سعد سے خواہش کی کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو، میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں گا۔

عقبہ بن سمرعان کا بیان ہے کہ حضرتؑ نے کبھی اپنی زبان سے نہیں فرمایا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو۔

جس بات پر راویوں کا پورے طور سے اتفاق ہے، وہ یہ کہ حضرتؑ نے فرمایا مجھے کسی دور سر زمین پر چلا جانے دو، یہاں تک کہ مسلمان میری عدم موجودگی میں اپنی قسمت کا

فیصلہ کر لیں، اور یکسوئی حاصل ہو جائے۔

یہ مشہور روایت کہ حضرت نے ہندوستان آنے کی خواہش فرمائی تھی۔ شاید اسی قدر واقعیت پر مبنی ہے۔

عمر سعد کو پورے طور سے احساس ہو گیا کہ حضرت کا طرز عمل صلح پسندانہ ہے، اس نے ابن زیاد کو خط لکھا، اور واقعہ سے اطلاع دی، امام حسینؑ کے مطالبات ذکر کیے اور اپنی رائے بھی لکھ دی کہ فی هذا لكم رضا ولامة صلاح۔ ”اس مطالبہ کے پورا کرنے پر آپ کو رضا مند ہونا چاہیئے اور مسلمانوں کی بھی بہتری ہے۔“

اس نے اس صورت حال کو فال نیک اور نشان صلح و سکون بھی سمجھا کہ اس نے تحریر کیا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اطفاء النائرة وجمع الكلمة واصلح امر الامة۔

”شکر ہے خدا کا کہ اس نے آگ خاموش کی اور شیرازہ متحد کیا اور مسلمانوں کے امر کی اصلاح کر دی۔“ خط ابن زیاد کے پاس پہنچا اور اس پر بھی وقتی طور پر خوشگوار اثر پڑا، اس نے کہا ہذا کتاب رجل ناصح لاميرة مشفق على قومه نعم قد قبلت۔

”یہ خط ہے ایک ایسے انسان کا جو اپنے امیر کا خیر خواہ اور اپنی قوم کا خیر اندیش معلوم ہوتا ہے۔ بے شک مجھے منظور ہے۔“

مگر کج فطرت اور پست نہاد شمر برا فروختہ ہو گیا، اس نے کھڑے ہو کر کہا، ”اب جب کہ وہ آپ کے حدود سلطنت میں اور آپ کی سرزمین پر آگئے ہیں آپ انھیں موقع دیتے ہیں، اور ان کی یہ خواہش منظور کیے لیتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر آج وہ چلے گئے اور آپ کے قابو میں نہ آئے تو یاد رکھیے کہ قوت اور عزت ان کا حصہ ہوگی، اور ضعف و کمزوری آپ کا حق، آپ ہرگز انھیں ایسا موقع نہ دیجئے یہ آپ کی بڑی کمزوری ہوگی۔“

بے شک انھیں چاہیئے کہ وہ اور ان کے اصحاب اپنے کو

آپ کے حوالے کر دیں۔ جس کے بعد اگر آپ سزا دیں تو بے شک آپ کو اختیار ہے، اور اگر معاف کرنا چاہیں تو آپ کی مہربانی ہے۔ رہ گیا عمر بن سعد اس کا کیا ذکر۔ مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ رات رات بھر دونوں لشکروں کے درمیان اس سے اور حسینؑ سے باتیں ہوتی رہتی ہیں۔“

یہ خوشامد آمیز، غیرت انگیز، مفسدانہ و فتنہ پردازانہ تقریر تھی جس سے ایک طرف تفوق طلبی و ظفر انجالی کے جذبہ کو حرکت پیدا ہوئی، اور دوسری طرف انانیت اور غرور خوری کی رگ میں جنبش ہوئی میں تیسری طرف ابن سعد کی جانب سے بدگمانی ہو گئی اور وہ خلوص و صداقت کا اثر جو اس کی تحریر سے پڑا تھا رخصت ہو گیا۔ شمر بڑا خیر خواہ دوست اور سچا مشیر کا معلوم ہوا۔ عمر بن سعد پر غصہ آیا کہ وہ لڑنے گیا ہے، رات رات بھر بیٹھ کر دشمن سے باتیں کرتا ہے۔ حسینؑ سے مل گیا ہے۔ ہم کو خواہ مخواہ دھوکا دیتا ہے۔

پھر ایسے مشتہ شخص کا سردار لشکر ہونا کیسا۔ یقیناً شمر کو کربلا بھیجا جائے تاکہ ابن سعد کے طرز عمل کا تدارک ہو اور حسینؑ کے ساتھ ہر قسم کی صلح پسندانہ گفتگو کا سد باب ہو۔

ابن زیاد نے اسی غصہ کے عالم میں عمر سعد کے نام خط لکھا:۔

اما بعد فانی لم ابعثك الى حسين لتكف عنه ولا لتطاوله ولا لتمنييه السلامة والبقاء ولا لتقع له عندى شافعا انظر فان نزل حسين واصحابه على الحكم واستسلموا فابعث لهم الى سلما وان ابوا فازحف اليهم حتى تقتلهم و تمثل بهم فانهم لذلك مستحقون فان قتل حسين فاوطئ الخيل صدره وظهره فاني عاق مشاقق قاطع ظلوم وليس دهرى في هذا ان بضّر بعد الموت شيئا ولكن على قول لو قد قتله فعلت هذا به ان انت مضيت لا مرنا فيه

جزیناک جزاء السامع المطیع و ان ابیت
فاعتزل عملنا وجندنا و خلّ بین شمر بن ذی
الجوشن و بین العسکر فانّا قد امرنا لا بامرنا۔

”میں نے تم کو حسینؑ کی جانب اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم
ان کے ساتھ مراعات کرو یا ان کے ساتھ معاملات کو طول دو، یا ان
کو زندگی کی امیدیں دلاؤ، یا میرے پاس ان کی سفارش
کرنے بیٹھو۔ دیکھ اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرے حکم پر
سر تسلیم خم کریں اور اپنے کو میرے رحم و کرم کے سپرد کریں تو ان
کو خاموشی کے ساتھ میرے پاس بھیج دو، اور اگر وہ انکار کریں
تو ان پر حملہ کر دو، یہاں تک کہ انھیں قتل کر ڈالو اور ان کے
اعضاء کو قطع کرو کیونکہ وہ لوگ اسی کے مستحق ہیں۔“

وحشت کی انتہاء اور درندگی کی حد ہے۔ اسلام کا نام
بدنام کرنے والے۔ انسانیت کی پیشانی عرق انفعال سے تر
کرنے والے۔ تاریخ کو ہمیشہ کے لیے انگشت بدنداں قرار
دینے والے الفاظ یہ ہیں، جو کسی اور کی نسبت نہیں، رسولؐ کے
سب سے پیارے نواسے حسینؑ کی نسبت لکھے جا رہے ہیں۔
وہ قلم شگافتہ نہ ہو گیا، وہ روشنائی خشک نہ ہو گئی۔ وہ ہاتھ
بیکار نہ ہو گیا جس سے صفحہ کا غد پر ان الفاظ کی سیاہی پھیل رہی
تھی کہ:-

”اگر حسینؑ قتل ہو جائیں تو ان کے سینہ اور پشت کو
گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرنا، کیونکہ وہ سلطنت کے
باغی، مخالف اور حریف ہیں۔

میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے موت کے بعد ان کو کوئی
نقصان پہونچے گا لیکن میں یہ زبان سے کہہ چکا ہوں کہ اگر
حسینؑ قتل کروں تو ان کے ساتھ یہ سلوک کروں گا۔

اگر تم نے ان احکام کا اجرا کیا تو خیر، تمہیں معاوضہ ملے گا
جو ایک وفادار فرماں بردار کو ملنا چاہیئے، اور اگر تمہیں یہ منظور نہ
ہو تو لشکر کی سرداری سے علیحدہ ہو جاؤ اور اسے شمر کے سپرد کر دو۔
جسے ہم نے پورے طور سے مناسب ہدایتیں کر دی ہیں۔“

یہ خط شمر کے حوالہ کیا اور اس سے زبانی کہہ دیا کہ یہ خط
عمر سعد کے پاس لے جاؤ، اس سے کہو کہ وہ حسینؑ اور اصحاب
حسینؑ کے سامنے میرے حکم کی پابندی کا سوال پیش کرے۔
اگر وہ لوگ اس پر آمادہ ہوں تو انھیں خاموشی کے ساتھ میرے
پاس بھیج دو، اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان سے جنگ
کرو۔

در صورتیکہ عمر سعد ایسا کرنے پر آمادہ ہو تو تم اس کی ماتحتی
میں رہنا، اور اس کے احکام پر عمل کرنا، اور اگر وہ ایسا کرنے
سے انکار کرے تو تم سرداری لشکر کو اس کے ہاتھ سے لے لینا،
اور تم خود بحیثیت سردار ان لوگوں سے جنگ کرنا، اور عمر سعد کا
سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دینا۔“

شمر نے خط لیا اور کربلا کی سمت روانہ ہوا۔

پندرہواں باب

نویں تاریخ کی سہ پہر

ابن زیاد کا خط شمر کے ہاتھ عمر سعد کو پہونچ گیا۔ وہ
خط کو دیکھتے ہی واقعہ کی تہہ تک پہونچ گیا۔ سمجھ گیا کہ شمر کی
شرارت تھی۔ کہنے لگا۔

مَالِكُ وَيْلَكَ لَا قَرْبَ لِلّٰهِ دَارَكَ وَقَبَّحَ اللّٰهُ مَا
قَدِمْتَ بِهِ عَلَيَّ وَاللّٰهُ اِنِّیْ لَا ظَنُّكَ اَنْتَ ثَنِيْتَهُ اِنْ
یَقْبَلُ مَا كَتَبْتَ بِهِ اِلَيْهِ اَفْسَدْتَ عَلَيْنَا اَمْرًا كُنَّا
رَجَوْنَا اَنْ یَّصْلَحَ لَا سَتِیْسَلِمُ وَاللّٰهُ حَسْبِیْنَ اِنْ
نَفْسًا اَبِیَّةً لِّبَیْنِ جَنْبِیْهِ۔

”یہ تو نے کیا کیا؟ خدا تجھ سے سمجھے، خدا تجھے غارت
کرے اور برا کرے اس پیغام کا جو تو میرے پاس لایا ہے۔
خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تو ہی نے ابن زیاد کو میرے مشورہ
کے قبول کرنے سے روک دیا۔ تو نے بگاڑ دیا ایک ایسی بات کو
جس کے بن جانے کی مجھ کو امید تھی خدا کی قسم حسینؑ ہرگز اپنے
کو ابن زیاد کے سپرد نہ کریں گے۔ حسینؑ اپنے سینہ میں ایک
غیور دل رکھتے ہیں۔“

کیا کہنا اس ابائے نفس، اس شہامت طبع، اس آن بان اور اس غیرت حق کا جس کے لیے ایک مخالف کی زبان اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

شمر نے کہا ان باتوں کو جانے دو۔ یہ بتاؤ کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟ امیر کے حکم پر عمل کرو گے، اور دشمن سے جنگ کرو گے یا سرداری لشکر کی میرے سپرد کرو گے؟

کمزور دل والا انسان، دنیا پر جان دینے والا عمر سعد اپنی تمام قلبی کیفیتوں اور ضمیر کی ہدایتوں کو اس وقت بھول جاتا تھا جب دنیا کے وقتی راحت و آرام اور جاہ ثروت کے ہاتھ سے چلے جانے کا سوال پیش ہوتا تھا۔ وہ دنیا کے عشق میں اس وقت اپنی تمام وجدانی کیفیتوں کے پامال کر دینے پر تیار ہو جاتا تھا، جس میں اس کو بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔

خطرہ بالکل نقد تھا۔ اور اپنا رقیب عشق سرداری (شمر بن ذی الجوشن) سامنے موجود تھا، اور صرف ایک ہاں یا نہیں کا جواب تھا جس پر تمام فیصلہ کی بنیاد تھی۔

جس کے ساتھ فقط سرداری رہنے اور نہ رہنے کا سوال ہی نہ تھا بلکہ جیسا ابن زیاد کی گذشتہ تقریر سے معلوم ہوا، جان کا مرحلہ بھی درپیش تھا۔ مخالفت کی صورت میں قتل کا سامان مہیا تھا اس کے لیے تو بے شک ویسے ہی جذبہ حق پسندی کی ضرورت تھی جو فداکار ان راہ حقانیت کو ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ کر سکتا ہے۔

عمر سعد اس جذبہ سے عاری اور ثبات و استقلال کے وادی سے اجنبی تھا۔ شمر کے اس سوال پر اس کو کہہ دینا پڑا کہ ”نہیں میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا۔“

شمر کا وجود عمر سعد کے لیے سوہان روح تھا۔ ابن زیاد کی بدگمانی اپنی نسبت بالکل ظاہر ہو چکی تھی۔ اب اسے اپنی وفاداری اور اخلاص مندی کا ثبوت پیش کرنا تھا۔ اس لیے اب جنگ میں تھوڑی بھی تاخیر اس کو منظور نہیں تھی۔

بے شک شمر کو ابھی لشکر امام حسینؑ میں اپنے ایک مقصد کی کوشش اور ایک امر کی ریشہ دوانی کرنا تھی۔ جس کی اس

نے کوفہ سے چلتے وقت ہی تدبیر کر لی تھی۔

امام حسینؑ کے وفادار بھائی ابوالفضل العباسؑ کی والدہ معظمہ ام البنین تھی جن کا اصلی نام و نسب فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر بن کلاب ہے اور شمر جس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، شمر بن ذی الجوشن شریحیل بن عور قرط بن عمرو بن معاویہ بن کلاب ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب ام البنین قوم و قبیلہ کے اعتبار سے شمر کے ساتھ قرابت رکھتی تھیں، اور شمر جناب عباس اور ان کے حقیقی بھائیوں کو رشتہ کے لحاظ سے اپنا بھانجا خیال کرتا تھا۔

اس نے کوفہ سے چلتے وقت ابن زیاد کی جانب سے حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لیے ایک تحریری امان لکھوا لی تھی جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔

اب کربلا میں پہنچ کر عمر سعد کی گفتگو کے بعد وہ فوج حسینی کے مقابل آیا، اور پکار کر کہا، ”این بنو اختا۔“ کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے۔“ حضرت عباسؑ، جعفر و عثمان و عبد اللہ چاروں بھائی سامنے آئے اور پوچھا کیا ہے؟ کیوں پکارتے ہو؟ شمر نے کہا ”تم اے میری بہن کے فرزندو! اماں میں ہوں۔“

چاروں جوانوں نے پکار کر کہا۔ لعنک اللہ ولعن امانک لئن کنت خالنا اقو مننا وابن رسول اللہ لا امان لہ۔

”لعنت خدا کی تجھ پر اور تیری اماں پر۔ تو ہمارا ماموں سہی۔ مگر یہ کیا کہ ہم کو تو اماں ہے، اور فرزند رسولؐ کو اماں نہیں ہے۔“

ایسا ہی دوسرا واقعہ اور پیش آیا کہ عبد اللہ بن ابی المحل بن حزام نے، جو جناب ام البنین کا حقیقی بھتیجا تھا۔ ابن زیاد کے پاس جا کر کہا کہ ہمارے پھوپھی زاد بھائی حسینؑ کے لشکر میں ہیں، ان کے لیے امان تحریر کر دی جائے۔ ابن زیاد نے کہا ”ہاں بسر و چشم۔“ اور اپنے کاتب سے امان لکھوا دی۔ عبد اللہ نے اپنے غلام ”کزمان“ کے ہاتھ اس امان نامہ کو روانہ

کیا۔ جب وہ کربلا آیا تو اس نے جناب عباسؓ اور ان کے تینوں بھائیوں کو اس امان سے مطلع کیا۔ چاروں بھائیوں نے اس تحریر کو واپس کیا۔ کہا ہمارا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ ہم کو تمہارے امان کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے یہاں کی امان ہمارے لیے بہتر ہے۔ ابن زیاد کی امان سے۔

یہ واقعہ عام طور سے مشہور نہیں ہے۔ لیکن تاریخ میں معتبر طور سے موجود ہے۔

(طبری ج ۶ ص ۲۳۶)

نویں تاریخ کی شام ہونے نہیں پائی تھی کہ عمر سعد نے جنگ کی تیاری کر دی اور امام حسینؓ پر حملہ کا حکم دے دیا۔ امام حسینؓ عصر کی نماز کے بعد خیمہ مبارک کے دروازہ پر تلوار کا سہارا لیے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ نیند غالب ہو گئی تھی۔

اچانک ایک مرتبہ دشمن کی فوج نے حملہ کر دیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں اور فوج کے غل کی آواز جناب زینبؓ کے کان میں گئی۔ آپ امام حسینؓ کے قریب آئیں اور کہا ”بھائی! بھائی، دیکھیے دشمن کے لشکر کی آوازیں بہت قریب سے آرہی ہیں۔“ حضرت نے سراٹھایا، فرمایا میں نے ابھی رسالتآب گو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں تم غمگین ہمارے پاس آیا چاہتے ہو۔“

حملہ آور لشکر کے شور و غل سے جناب زینبؓ کا دل دھلا ہوا تھا ہی۔ اب جو بھائی نے یہ خواب بیان کر دیا تو زینبؓ کی آنکھوں میں نہ معلوم کون منظر گردش کرنے لگا۔ کرتیں کیا؟ بس ایک دفعہ چہرہ پر اپنے دو ہنر لگایا اور کہا یا ویلتنا۔ ”ارے غضب۔“

امامؓ نے تسکین دی اور فرمایا لیس لك الویل یا اخیة اسكنی رحمك الرحمن۔ ”غضب تمہارے دشمنوں کے لیے اے بہن خاموش رہو۔ خدا تم پر رحم کرے۔“ اتنی دیر میں جناب عباسؓ بھی پہنچ گئے، کہا یا اخی

اتاك القوم، ”بھئی! لشکر آ گیا۔“ حضرت یہ سنکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ محبت آمیز انداز میں فرمایا۔

یا عباس اركب بنفسی انت یا اخی حتی تلقاهم فتقول لهم مالکم وما بدلکم و تسألهم عما جاء به۔

”اے عباس! میں قربان تم پر اے میرے بھائی سوار ہو اور ان کے پاس جاؤ ان سے پوچھو کہ آخر یہ کیا ہے اور ان کی رائے میں کیا تبدیلی ہوئی؟ اور اس بے وقت حملہ کا کیا سبب ہے؟“

جناب عباسؓ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ غالباً اصحاب نے حضرت کو جاتے دیکھ کر خود ہی تنہا جانا گوارا نہ کیا ہوگا اور گھوڑے بڑھادیئے ہوں گے۔ آپ نے جا کر دریافت کیا۔ ما بدلکم وما تردون۔ تمہارے رائے میں کیا تبدیلی اور اب تم کیا چاہتے ہو؟ جواب ملا کہ امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے امیر کی اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کریں اور نہیں تو تم سے جنگ کی جائے۔“ آپ نے فرمایا کہ اچھا پھر تم جلدی نہ کرو۔ میں امامؓ کے پاس جا کر تمہارا یہ جواب عرض کر دوں۔ جناب عباسؓ گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتے ہوئے امام حسینؓ کی خدمت میں گئے کہ آپ کو واقعہ سے اطلاع دیں۔ اصحاب جو ساتھ گئے تھے وہ دشمن کے مقابل کھڑے رہے اور موقع کو غنیمت سمجھ کر چاہا کہ کچھ تبلیغ ہی کے فرض کو انجام دیں۔ حبیب بن مظاہر، زہیر بن قین کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہا دل چاہے تو کچھ ان لوگوں سے گفتگو کرو۔ نہیں کہو تو میں کچھ کلام کروں۔ زہیر نے کہا ابتداء اس خیال کی آپ نے کی، تو آپ ہی کلام بھی کیجئے۔“

حبیب متوجہ ہوئے فوج مخالف کی طرف اور اس طرح تقریر کرنا شروع کی:-

اما والله لبئس القوم عند الله عند اقوم يقدمون عليه قد قتلوا ذرية نبيه و عترته

واہل بیتہ و عباد اہل هذا البصر المجتہدین
بالاسحار والذاکرین اللہ کثیرا۔

”یاد رہے کہ بڑی بری ہوگی خدا کے سامنے کل وہ
جماعت جو اس کا سامنا کرے گی اس حالت میں کہ اس کے
نبی کی ذریت اور اہلبیت کو اس نے قتل کیا ہو اور اس ملک کے
ان عبادت گزاروں کا خون بہایا ہو، جو پچھلے پہر خدا کی عبادت
کرنے والے اور ذکر الہی میں کثرت سے مصروف رہنے
والے ہیں۔“

عزہ بن قیس احمسی جو فوج مخالف میں تھا، اس نے
بات کاٹنے کے لیے مذاق کے طور پر کہا ”حبیب! جہاں تک
ہوسکتا ہے تم اپنی تعریف اور اپنے نفس کی پاکیزگی کا اظہار ضرور
کرتے ہو۔“

زہیر نے جواب دیا ”اے عزہ خدا ہی نے ان کے
نفس کو پاکیزہ کیا ہے۔ اور اس کو راہ راست کی طرف ہدایت
کی ہے۔“

زہیر کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ یہ پہلے علیؑ اور اولاد علیؑ سے
کوئی خاص تعلق نہ رکھتے تھے، بلکہ شام والوں کے ہم خیال
تھے اور اس لیے عثمانی جماعت میں مشہور و معروف تھے۔
مکہ معظمہ و کربلا کے درمیانی راستے میں ایک منزل پر امام
حسینؑ نے ان سے ملاقات کر کے اپنی نصرت کی دعوت
دی۔ توفیق شامل حال ہوئی اور قسمت نے یاری کی۔ دل
میں محبت اہلبیت پیدا ہوئی اور یہ جان و دل سے حسینؑ پر نثار
ہونے کو تیار ہو گئے۔

یہی باعث تھا کہ اس وقت زہیر کی آواز جو انصار حسینؑ
کے درمیان بلند ہوئی تو مخالف فوج کے لوگوں کو تعجب ہو گیا اور
عزہ بن قیس نے مرکز ہیر کی طرف نظر ڈالی اور کہا:-

یا زہیر ما کنت عندنا من شیعۃ اہل هذا
البیت اثمًا کنت عثمانیا۔

”اے زہیر تم ہو۔ تم تو ہماری دانست میں اس خاندان

کے شیعوں میں سے نہ تھے، بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے۔“
زہیر نے کہا۔ افلا تستدل بموقفی هذا انی
منہم اما واللہ ما کتبت الیہ کتابا قط ولا
ارسلت الیہ رسولا قط ولا وعدتہ نصرتی قط
ولکن الطريق جمع بینی و بینہ فلہما رایتہ
ذکرت بہ رسول اللہ ﷺ و مکانہ منہ و عرفت
ما یقدم علیہ من عدوۃ و حزبکم فرأیت ان
انصرہ وان اکون فی حزبہ وان اجعل نفسی
دون نفسہ حفظا لما ضیعتم من حق اللہ و حق
رسولہ علیہ السلام۔

”اب تو تم میرے یہاں ہونے سے سمجھے کہ میں
شیعیان اہلبیت میں سے ہوں۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا
کی قسم میں نے امام حسینؑ کو کبھی خط نہیں لکھا تھا اور نہ کوئی
قاصد روانہ کیا تھا، نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے
میں اتفاق سے مجھ سے اور ان سے ملاقات ہو گئی، اور جب
میں نے انہیں دیکھا تو مجھے رسالت اب اور وہ تعلق جو ان کو
ان سے تھا یاد آ گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے دشمن یعنی
تمہارے گروہ کی طرف جارہے ہیں۔ تو میں نے اچھا
سمجھا کہ میں ان کی نصرت کروں اور ان کی جماعت میں
داخل ہوں اور اپنی جان کو ان پر نثار کروں۔ حفاظت
کرتے ہوئے خدا اور رسول کے ان حقوق کی جن کو تم نے
ضائع کر دیا ہے۔“

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ جناب عباسؑ آ گئے اور فرمایا کہ
”امامؑ نے ایک شب کی مہلت مانگی ہے، صبح کو دیکھا جائے گا۔“
عمر سعد شمر کی موجودگی کو اپنے لیے انتہائی خطرناک سمجھتا
تھا اس لیے اب وہ امام حسینؑ کے معاملہ میں ہر امر میں خواہ مخواہ
کے لیے بھی تشدد سے کام لیتا تھا۔ اسے برابر شمر کی ذات سے
دھڑکا لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر وہ شمر کی طرف متوجہ ہوا اور
کہا ”کہو تمہاری کیا رائے ہے؟“ اس نے کہا ”جو آپ کی

رائے۔ حاکم آپ ہیں اور معتبر آپ کی رائے ہے۔“ عمر سعد نے کہا ”میں تو چاہتا ہوں کہ مہلت نہ دی جائے۔“ پھر وہ دوسرے سرداران لشکر کی طرف متوجہ ہوا ”کیوں تمہاری کیا رائے ہے؟“ عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا:۔ سبحان اللہ! اگر یہ لوگ قبیلہ ترک و دیلم کے بھی ہوتے اور اتنی مراعات کے طالب ہوتے تو تمہیں ان کے ساتھ یہ مراعات کرنا لازم تھی۔“ قیس بن اشعث نے بھی یہی مشورہ دیا کہ مہلت دینا چاہیے۔ آخر ایک شب کی مہلت مل گئی اور بڑھی ہوئی حملہ آور فوج پیچھے واپس گئی۔

سولہواں باب عاشور کی رات

یہ ماہ زہرا کے عمر کی دنیا میں آخری شب ہے۔ اس شب کی مہلت اتنی کوشش کے ساتھ رسولؐ کے فرزند نے مانگ کر لی ہے۔ ظاہر میں اشخاص کی سمجھ میں آتا ہوگا کہ حسینؑ کوئی لڑائی کی تیاری کرنا چاہتے ہیں۔ کسی پہونچنے والی امداد کا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے اہلبیتؑ اور عزیز عصمت کو دل بھر کر دیکھ لینا اور رخصت کر لینا چاہتے ہیں۔ یا اپنے بعد کے واسطے ان کے لیے کچھ انتظامات کرنا منظور ہیں، اور انھیں کسی کے سپرد کرنا مد نظر ہے۔ یا کچھ نہیں تو کم از کم کچھ وصیتیں کریں گے، اور اپنے بعد کے واسطے ہدایت فرمائیں گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے اپنی مہلت مانگنے کا سبب اسی وقت جب جناب عباسؑ کو مہلت لینے کے لیے بھیجا ہے، ظاہر کر دیا تھا، آپ نے فرمایا تھا:۔

لَعَلَّنَا نَصَلِّيَ لِرَبِّنَا اللَّيْلَةَ وَنَدْعُوهُ نَسْتَغْفِرُهُ
فَهُوَ يَعْلَمُ اِنَّيْ قَدْ كُنْتُ اَحَبَّ الصَّلٰوةِ وَتِلَاوَةِ
كِتَابِهِ وَكَثْرَةِ الدَّعَاءِ وَالِاسْتِغْفَارِ۔

”ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کر لیں، اور دعا و استغفار میں مصروف رہیں، کیونکہ خدا خوب واقف ہے کہ میں ہمیشہ سے اس کی عبادت اور تلاوت قرآن

اور کثرت دعا و استغفار کو محبوب سمجھتا رہا ہوں۔“
(طبری ج ۶ ص ۲۳۸ مطبوعہ مصر)

ایسا ہی ہوا۔ ضحاک بن عبداللہ مشرقی کا بیان ہے۔
قَامُوا اللَّيْلَ كُلَّهُ يَصَلُّونَ وَ يَسْتَغْفِرُونَ
وَيَدْعُونَ وَيَتَضَرَّعُونَ۔ ”تمام شب گزاری اس طرح کہ
نماز اور دعا اور استغفار اور تضرع میں مصروف تھے۔“
(طبری ج ۶ ص ۲۴۰)

بے شک ابتدائے شب حضرت نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ شاید تدا بیر جنگ کے متعلق مشورہ کے لیے؟ مگر نہیں بلکہ نتیجہ سے مطلع کر کے ان کو اختیار دینے کے لیے کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں۔

یہ ہیں ”مجاہد کربلا“ کی حقانیت و صداقت کے اصلی خط و خال۔ یہ ہے ”مجاہد کربلا“ کی اصلی آن بان، اور حقیقی استغناء کی شان۔

وہ دل لہانے والی تقریروں سے، جوش و خروش پیدا کرنے والے بیانات سے، خوش آئند امیدوں کے سبز باغ سے اور دل فریب توقعات کے سراب خیال سے اپنے ساتھ والوں کو گرویدہ بنانے کی کوشش نہیں کر رہے تھے، بلکہ ان کے سامنے حقیقت حال کو واضح کر کے غلط فہمیوں کے پردہ کو چاک کر دینا چاہتے تھے۔

ہمارے سامنے ہیں بڑے بڑے افراد کے حالات اور ان کے منتسبین کے طرز عمل۔ ہمارے سامنے ہیں انجیل کے بیانات جن میں حضرت یسوع مسیحؑ کا اپنے شاگردوں سے اپنی گرفتاری اور سولی پر چڑھائے جانے کا واقعہ بیان کرنا مذکور ہے۔ ہمارے پیش نظر ہے یہ صورت کہ یسوع مسیحؑ کو انہی شاگردوں میں سے ایک آدمی پکڑوا دیتا ہے، جسے وہ پہلے سے بتلا بھی چکے ہوتے ہیں اور دوسرے شاگردوں کی نسبت وہ صاف طور سے کہہ بھی دیتے ہیں کہ تم سب اس رات مری بابت ٹھوکر کھاؤ گے۔ اور ان کے سب سے مخصوص ساتھی پطرس

یہ کہتے ہیں کہ سب آپ کی نسبت ٹھوکر کھائیں مگر میں تو ٹھوکر نہ کھاؤں گا، اور یسوع خبر دیتے ہیں کہ نہیں۔ مرغوں کے اذان دینے سے پہلے تم تین بار میرا انکار کرو گے! پطرس نے عہد کیا کہ اگر آپ کے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی آپ کا انکار ہرگز نہ کروں گا۔ اور سب شاگردوں نے بھی یہی کہا۔“ مگر وقت پر کیا ہوا؟ وہی کہ سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ پطرس نے تین مرتبہ عیسیٰ کے ساتھ ہونے سے انکار کیا، بلکہ ان پر لعنت بھی کی اور اپنی جان بچائی۔“

(ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۲۶ مرقس ب ۱۴ لوقا ب ۲۲ یوحنا ب ۱۷)

ہمارے سامنے ہیں رسالتِ نبی کے اصحاب کی وفاداریاں اور جنگِ احد میں ان کا عالم، اور ہمارے پیش نظر ہے، امیر المومنین کے ساتھیوں کا عالم بھی جن کی نسبت آپ یہ فرماتے تھے کہ قد شحنتم صدری غیظاً و ملأتم قلبی قیحا۔

”تم نے میرے سینہ کو غم و غصہ سے بھر دیا اور میرے دل کو پیپ کر دیا۔“

یقیناً ان تمام کے مقابلہ میں جب حسین بن علیؑ کے اصحاب کو پیش کرتے ہیں تو وفا کے مجسمے، ثبات و استقلال کے مرقعے، بات پر مٹنے کے نمونے، اور اپنے امام کی صحیح اطاعت و معرفت کے بے نظیر نقشے نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

امامؑ نے اصحاب کو جمع کیا۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا مگر قریب چلا گیا کہ سنوں! حضرت کیا فرماتے ہیں۔

حضرت نے حمد و ثنائے الہی ادا فرمائی۔ پھر فرمایا:-

انی لا اعلم اصحاباً اولی ولا خیراً من اصحابی ولا اهل بیت ابی ولا اوصل من اهل بیتی فجزاکم اللہ عنی جمیعاً خیراً لا وائی الظنّ یومناً من هؤلاء الا عداً عند الاوائی قد رأیت لکم فانطلقوا جمیعاً فی حلّ، لیس علیکم منی ذمام

هذا اللیل قد غشیکم فاتخذوا جملاً۔

مجھے خبر نہیں دنیا میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے بہتر اور زیادہ وفادار ہوں، اور نہ کسی کے عزیزوں کو جانتا ہوں کہ میرے عزیزوں سے زیادہ حق شناس اور مطیع و فرمان بردار ہوں۔ خدا تم سب کو میری طرف سے نیک بدلہ دے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ میرے خیال میں ہماری قسمت کے فیصلہ کا ان لوگوں کے ساتھ کل کا دن ہے۔ میں نے تم لوگوں کے متعلق غور کیا۔ میری رائے تم لوگوں کی نسبت یہ قائم ہوئی کہ تم سب کے سب چلے جاؤ بالکل خوشی کے ساتھ۔ میری جانب سے تم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہے۔ دیکھو یہ رات کی تاریکی موجود ہے، اسے تم اپنا ذریعہ نجات قرار دو۔ اور اسی کے سہارے پر یہاں سے جلدی نکل جاؤ۔“

اصحاب کے دلوں پر بغیریت کا اثر نہ پڑنے کی خاطر یہ بھی فرمایا کہ لیاخذ کل راجل منکم بیدرجل من اهل بیتی ثم تغرقوا فی سواد کم و مدائنکم حتی یفرج الله فان القوم انما یطلبونی ولو قد اصابونی لہوا عن طلب غیری۔

”ہر شخص تم میں سے ایک ایک شخص کا میرے عزیزوں سے بھی ہاتھ پکڑ لے اور اپنے ساتھ لیتا جائے، اس لیے کہ یہ لوگ صرف میرے طالب ہیں۔ اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔“ یہ سننا تھا کہ مجمع میں ایک بے چینی پیدا ہو گئی۔ بھائی، بیٹے، بھتیجے اور عبداللہ بن جعفر کے دونوں صاحبزادے بیک زبان پکار اٹھے کہ لہم نفع لنبقی بعدک لا انا اللہ ذلک ابداً۔ ”یہ کیوں؟ کس لیے ہم ایسا کریں؟ کیا اس لیے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہیں۔ ہرگز نہیں! خدا ہم کو یہ روز بد نصیب نہ کرے۔“

ان میں سب سے پہلے اس قول کے کہنے والے حضرت ابوالفضل العباسؑ تھے جن کے بعد دوسرے جوان اور نو جوان بھی آپ کے ہم آواز ہوئے تھے۔

اقتل ثم احياء ثم احرق حيا ثم اذري فعل ذلك
 بي سبعين مرة ما فارقتك حتى القي حماي دونك
 فكيف لا افعل ذلك وانما هي قتلة واحدة ثم هي
 الكرامة التي لا انقضاء لها ابداً.

”خدا کی قسم ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ خدا کی بارگاہ میں یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ہم نے رسالتاً بے غائبانہ حق کو آپ کے بارے میں ادا کر دیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ پھر جیتے جی جلاد یا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے گی اور ایسا ہی میرے ساتھ ستر (۷۰) مرتبہ ہوگا تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ جب تک کہ آخری موت مجھے آپ کے قدموں پر نہ آئے۔ پھر چہ جائیکہ یہ تو ایک دفعہ قتل ہو جانا ہے، اور اس کے بعد وہ عزت دائمی ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔“

زہیر بن قینؓ نے بھی کھڑے ہو کر ایسی ہی تقریر کی۔
انھوں نے کہا:- واللہ لو دوت ائی قتلت ثم نشرت
ثم قتلت حتی اقتل کذا الف قتلة وان اللہ ید
فع بذلك القتل عن نفسك وعن انفس هؤلاء
الفتية من اهل بیتک۔

”خدا کی قسم میری تو یہ آرزو ہے کہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ یوں ہی ہزار مرتبہ میرے ساتھ سلوک ہو۔ لیکن کسی طرح آپ کی اور آپ کے اعزہ و اقارب اور ان ہاشمی جوانوں کی جان بچ جائے جو آپ کے ساتھ ہیں۔ دیگر اصحاب نے بھی ملتے جلتے الفاظ میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا اور سب نے متفق اللہجہ کہا۔

والله لانفارقك ولكن انفسنا لك الفداء
نقيك بنحورنا وجباهنا وايدينا فاذا نحن قتلنا
كثا وفينا قضينا ما علينا .

فلسفہ معجزہ

حکیم الامت علامہ ہندی آیہ اللہ سید احمد نقوی

عاجزی و مجبوری یہ وہ صفات ہیں جن کو کوئی خود پسند ہستی اپنی ذات کے لئے چند دقیقہ کے واسطے بھی پسند نہیں کرتی، دنیا میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے کہ بدترین نمونے عجز و مجبوری کے پائے نہ جاتے ہوں۔

روزمرہ کی باتوں میں قدم قدم پر عاجزی کے مظاہر پیش آتے رہتے ہیں مگر خود داری، تعلیٰ، ترفع جو خاصہ بشری ہے ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہیں کرتا کہ خود کو عاجز سمجھے۔

دوسرا وہ گروہ ہے جو اپنے کو حقیقت شناس منصف مزاج قابل مبارک باد قرار دیتے ہوئے بڑی سے بڑی ہستی مقتدر و سر بلند ہونے کے باوجود اس امر کو سمجھتے ہیں کہ فی الحقیقت عاجزی ہی وہ شہ ہے جو انسان کی عزت کی نگہبان ان کے وجود کے برقرار رکھنے والی اور طرح طرح کے افادہ قانون استفادات کا سرچشمہ ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے، اور کیسی ہی قوت و اقتدار والے ہوں، قدم قدم پر پھونک پھونک کر پیر دھرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں نمونے اس منزل میں جو خدا نے اپنی مخلوق کے لئے بنائے ہیں اس سے دور ہیں۔

پہلا نمونہ اگر شیخی و تکبر کا ہے تو دوسرا نمونہ پستی، بے غیرتی، کم ہمتی کا ہے۔ صراط الذین انعمت علیہم جس راہ میں خاص بندوں کو نعمتیں دی گئی ہیں وہی صراط مستقیم ہے۔ سچائی اور صداقت کی ہر بات جو پہلو لئے ہو وہی اچھی اور خدا کے نزدیک محبوب ہے جس میں سچائی نہ ہونہ وہ عاجزی اچھی نہ تعلیٰ و اما بنعمت ربك فحدث، خدا کی نعمتوں کا گنونا بیان و اظہار اور تفاخر خدا کا پسندیدہ ہے۔ ایک طرف نبیوں کی

تحدیوں کے نعرے فضاء عالم میں گونج رہے ہیں جو ہم کہتے ہیں وہی سچ ہے۔ منکر جھوٹا ہے۔ کافر ہے جاحد و جاہل ہے۔ جو نشانیاں ہم پیش کرتے ہیں اپنی سچائی کے سوا ہمارے گروہ کے کسی عالم میں کسی ہستی کے امکان میں نہیں ہے کہ ایسی نشانیاں پیش کر سکے۔ دوسری طرف یہی گروہ خدا کی بارگاہ میں اپنی کمال عاجزی، کمزوری، فقر و محتاجی، گناہ گاری کے اعتراف میں ہر وقت ترساں لرزاں و خائف نظر آتا ہے یہ ہے صراط مستقیم۔ دوسرا وہ گروہ ہے جن کے تکبر و تعلیٰ کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی ہستی کے سوا کسی کا وجود نہیں سمجھتے، انسانی ہستی کا کیا ذکر، نبوی، اور خدائی دعویٰ کے وہ گہرے نشان جو صفحہ عالم میں نمایاں طور پر موجود ہیں، انکا بھی انکار کر دیتے ہیں، اور خود خدائی کے دعوے کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر عاجزی و انکسار کا رخ اختیار کرتے ہیں تو اس کی تو اس کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی ڈنڈوت کرتے نظر آتے ہیں۔ جانور پتھر، گھاس پھوس، آگ، پانی، الابلہ۔ ہر شے کے سامنے ہاتھ جوڑتے نظر آتے ہیں۔

عقل ان گروہ میں اسی کی تصدیق کے لئے تیار کر سکتی ہے جس میں خدائی شان ہو، جن نشانوں میں خدائی کاری گری اور صنایعوں کی علامتیں موجود ہوں جن کے دعوؤں میں خدائی زبان کی ترجمانی ہو۔ جن کی آوازوں میں خدائی آواز سنائی دے۔ جس تعلیٰ میں خدائی کبریائی کا گہر نقش ہو، اس کی تحدیٰ خدا کی تحدیٰ ہے اس کا عالم بھر کو عاجز سمجھنا اس ذات کے مقابلے میں ہے جس کے لئے کبریائی مخصوص ہے۔ ان کا خدائی سفارت پر مامور ہونا ان کے افتخار کے حق بجانب ہونے کی دلیل ہے۔ خدا کی کبریائی کے سامنے بندہ عاجزی نہ کرے

تو کون عاقل اس کی تصدیق کرے گا۔ مادہ و مادیات سبھی تو اس قادر ہستی کی ادنی مخلوق ہیں۔ ان کے خواص آثار، ان کے فوائد و ضرر ان کی ناقص و ناتمام حالتیں صانع سے زائد کون جان سکتا ہے۔ اسی خالق و صانع کے خاص شاگرد خدا ہی کے پڑھائے سکھائے۔

اقراء باسم ربك الذي علم بالقلم

علم الانسان ما لم يعلم

جس گروہ کو خدا نے پڑھنا اور لکھنا سکھایا ہو، اور جو نہ جانتے تھے وہ بتایا ہو وہ گروہ انبیاء و مرسلین سے زائد جاننے والا آثار و خواص کائنات کا کون ہو سکتا ہے، دنیا کے فلسفے اور حکمتیں تخمین، قیاسی، تجربی ہوتی ہیں، اس لئے بار بار تجربوں کے بعد بھی کوئی فلسفی نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جو تجربے ہم نے کئے ہیں وہ کامل ہیں، نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے تجربوں کی غلطی کبھی ثابت نہ ہوگی۔ یعنی جواب ہو رہا ہے، ہمیشہ ہمیشہ ابد تک وہی ہوگا نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جو ہم نے کیا دھرا ہے اس پر دوسرا کوئی قادر نہیں ہے نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ہماری ایجادوں سے بہتر کوئی دوسرا ایجاد نہیں کر سکتا، لیکن ایک نبی خدا کو عالم بالذات کامل بالذات صانع بالذات اعتقاد رکھتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ علم الہی کے خلاف ہونا محال ہے، اس کے علم میں غلطی یا نقص محال ہے اس کی مخلوق کا اسی سے مختلف محال ہے۔ خدا سچا۔ اس کا علم سچا۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ اسی برتے پر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے یہ دعوے یقیناً سچے ہیں۔

(۱) ہم خدا کے نبی مرسل ہیں۔

(۲) جو ہم کہتے ہیں بس وہی سچ ہے اور اس کا خلاف

غلط ہے۔

(۳) ہماری صداقت کی نشانیاں یقینی و حتمی ہیں اور

مختلف ان کا ناممکن ہے، ہو کر رہیں گے۔

(۴) ہمارے دعوؤں کے مقابلے میں کسی غیر صنفی ہستی کا

دعویٰ کرنا بالکل غلط ہے۔

(۵) جو ہم دکھاتے ہیں دوسرا اس طرح نہیں دکھا سکتا حاصل

یہ ہوا کہ جو خدا کا بھیجا ہوا نہ ہو، جو زبان الہی کا ترجمان نہ ہو، جو خدا کی تعلیم کردہ نشانی نہ ہو، وہ ہرگز ہرگز نبیوں کے مقابلے میں نہیں لائی جاسکتیں۔ کوئی فلسفی و عالم پیش کرے یا بادشاہ و امیر یا منجم و کاہن و ساحر۔ عاجزی کے معنی خوب سمجھا، ایک بادشاہ کے چند جملے کسی کاغذ پر لکھ کر کسی کو دیتا ہے تم اس سے بہتر صفحہ کے صفحے اور دفتر کے دفتر لکھ ڈالو لیکن بادشاہ کے چند جملے لکھے ہوئے تمہارے ہاتھ نہیں لگتے۔ تم عاجز و مجبور ہو جس کے پاس وہ بادشاہ تحریر ہے اس کے چیلنج کا جواب نہیں دے سکتے۔

تم نے ہیکل سے تعلیم پائی ہے۔ ہرگز یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہر برٹ سنسپر کے شاگرد ہو کیونکہ یہ خلاف واقع اور جھوٹ ہے تم نے بڑے سے بڑے سائنس کے مسائل کو تجربات فلسفہ سے حل کر لیا ہے اور بڑی سے بڑی ایجادیں کر لیں، لیکن تم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ خدا قانون خلقت کو نہیں بدل سکتا، جو تمہاری ایجادوں کا مصرف و ماخذ ہے، نہ یہ دعویٰ کر سکتے ہو کہ جس قانون کو تم نے فلسفی معلومات سے حاصل کیا ہے وہ کامل و غیر متبدل ہے۔ نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ تم کو خدا نے بتایا ہے۔ لیکن نبی کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ عالم بھران کے سامنے عاجز ہے وہ ہر شے خدا کی طرف سے پیش کرتے ہیں اور دوسرا خدا کی طرف سے پیش نہیں کر سکتا یہی معجزہ کی حقیقت ہے۔ معجزہ انھیں موجودات عالم میں دکھایا جاتا ہے یہی قوائے فطریہ و طبعیہ مادیات کے جن میں فلاسفہ عمل کرتے ہیں اور ایجادیں کرتے ہیں معجزہ انہی میں دکھاتا ہے اور انھیں خواص طبعیہ اور آثار فطریہ میں تصرف کرتا ہے لیکن اس کو انسانی تجربوں اور حکماء کے اصولوں کی پابندی نہیں ہوتی وہ خدا کے سکھائے پڑھائے اصول و قوانین سے کام لیتے ہیں ان کی نمایاں خصوصیت و امتیازی ہے وہ تجربوں قیاسات، تخمین سے بالا تر ہیں۔ ان کا معجزہ اور فلسفی کربت شناخت کیا جاسکتا ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے درجہ کاملہ نبوتی کو قرآن مجید

سے سمجھائیں جس کے بعد مزید ثبوت معجزہ کی مسلمان کے واسطے تو ضرورت ہی نہیں رہتی پھر معجزے پر گفتگو کریں گے۔

(۱)

نبوت و رسالت

(۱) آدم علیہ السلام کو خدا نے کل نام بتا دیئے پھر ملائکہ سے ارشاد ہوا کہ تم سچے ہو تو بتاؤ ہم نے آدم کو کیا تعلیم دی؟ ملائکہ نے عاجزی کے ساتھ عرض کی، تو سزاوارِ تسبیح ہے۔ ہم کو تو اتنا ہی علم ہے جتنی تو نے تعلیم دی ہے (ہمارے علم ناقص کے مقابلے میں) تیرے علم و حکمت کی انتہا کو ہم کیا جانیں۔ پھر حضرت آدم کو حکم خدا ہوا کہ جو کچھ ہم نے تم کو تعلیم دی وہ ملائکہ کو بھی بتا دو۔ جب ملائکہ کو حضرت آدم نے اس تعلیم سے مطلع کیا اس وقت خدا نے ملائکہ سے فرمایا ہم تم سے نہ کہتے تھے کہ آسمان و زمین کی غیب کی باتوں کو ہم سے بہت زائد جانتے ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم اپنے علوم کو کتنا ظاہر کر سکتے ہو اور کتنا چھپاتے ہو۔ (سورۃ بقرہ) خدائی درس گاہ کے دو شاگرد نبی اور خلیفۃ اللہ کا وہ علم ہے جس سے ملائکہ تک بے خبر ہوتے ہیں، اور علم نبی کے سامنے عاجز ہوتے ہیں پھر انسان کس شمار میں ہے۔

(۲) اور ہم نے موسیٰ نبی کو کتاب دے کر بھیجا، اور انھیں نشانیاں پر ان کے بعد اور رسول بھیجے۔ اور عیسیٰ ابن مریم کو اپنے بینات کے ساتھ بھیجا، ان کی تائید روح القدس سے بھی کی۔ (سورۃ بقرہ)

(۳) حضرت موسیٰ کو کھلی نشانیاں اور معجزات کے ساتھ بھیجا۔ (سورۃ بقرہ)

(۴) اور جو لوگ کچھ نہیں سمجھتے وہ کہتے تھے کہ خدا ہم سے باتیں کرے۔ یا کوئی نشانی دے، تب ہم اقرار کریں بھی۔ تو ان سے پہلے لوگ کہا کرتے تھے ان کے دلوں میں شبہ شک ہیں، ہماری نشانیاں (معجزات) تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو یقین کر لیتے ہیں۔ (سورۃ بقرہ)

معجزہ دکھانے کے بعد بھی جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان کو عبث و فضول معجزہ نہیں دکھایا جاتا۔ وہ کھیل تماشا نہیں ہے پھر یہ بھی سمجھو کہ منکرین معجزہ خود معجزے کو دلیل نبوت سمجھ کر نبیوں سے طلب کرتے تھے۔ اس ضرورت سے معجزہ دکھایا جاتا تھا، خود نہیں دکھایا جاتا تھا۔ نہ ان لوگوں کو معجزہ دکھانے کی ضرورت ہے جو معجزے کے قائل نہیں، جو منکرین معجزہ ہیں ان کو زبردستی کون معجزہ دکھا رہا ہے۔ طلب معجزہ پر معجزہ نہ دکھانا سوائے ان صورتوں کے جو غیر مفید ہیں نبی کی تکذیب کا سبب ہوگا۔ خود نبی کی فروگزاشت کی وجہ سے۔

(۵) حضرت ابراہیم کی دعا) خداوند ارسولوں میں سے اس قوم پر رسول بھیج جو تیری نشانیاں کو دکھاوے، اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دے، اور ان کو پاک کرے تو عزیز و حکیم ہے۔ (سورۃ بقرہ)

(۶) جس طرح سے تم میں ہم نے نبی بھیجے جنہوں نے تم پر ہماری نشانیاں کو پیش کیا، اور تم کو پاک کیا، اور کتاب و حکمت سکھائی۔ اور ان چیزوں کی تعلیم دی جو تم نہ جانتے تھے۔ (سورۃ بقرہ)

(۷) جو تم پر اتارا گیا کتاب و حکمت میں سے تاکہ تم اس سے لوگوں پر وعظ کرو۔ (سورۃ بقرہ)

(۸) اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، اور خدا نے ان کو ملک و حکمت دی، اور جو کچھ داؤد چاہتے تھے وہ ان کو تعلیم کی۔ (سورۃ بقرہ)

(۹) یہ وہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے بعض ایسے ہیں جن سے خدا نے باتیں کی ہیں اور ان میں سے بعض کے درجہ بلند کئے ہیں، اور عیسیٰ ابن مریم کو نشانیاں دی ہیں، اور روح القدس سے ان کی تائید کی ہے۔ (سورۃ بقرہ)

(۱۰) خدا جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جس نے حکمت حاصل کی اس کو خیر کثیر ملا۔

(۱۱) اور تعلیم دی عیسیٰ کو کتاب و حکمت کی، اور

توریت و انجیل کی

(سورۃ آل عمران)

(۱۲) خدا نے مومنوں پر احسان فرمایا رسول بھیج کر۔ جو خدائی نشانیاں پیش کر کے ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران)

(۱۳) اور اسی طرح سے ابراہیم کو آسمان و زمین کی ملکوت (قوتیں) دکھائی، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو جاویں۔ (الانعام)

(۱۴) صاف بتایا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام قوائے فطری، طبعی، کیمیائی و روحانی، جو بھی خدا نے خلق فرمائے ہیں، سب حضرت ابراہیم کو دکھا دیئے۔ لہذا جس ذات کو وہ حقائق دکھائے گئے ہوں وہ ان کا عالم و متصرف ہو سکتا ہے۔

(۱۵) جب حضرت یوسف قوت دار جوان ہوئے تو ہم نے ان کو حکم و علم عطا کیا۔ (سورۃ یوسف)

(۱۶) یعقوبؑ وہ صاحب علم تھے جن کو ہم نے تعلیم کیا، لیکن بہت لوگ اس بات کو نہ جانتے تھے۔ (سورۃ یوسف)

(۱۷) اے میرے رب تو نے مجھ کو ملک دیا، اور سکھایا علم تاویل حدیث کا۔ (سورۃ یوسف)

(۱۸) اور اے رسولؐ ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری (قرآن) جو ہر شے کو بیان کرتی ہے، اور ہدایت و رحمت و بشارت ہے مسلمانوں کے لئے۔ (سورۃ نحل)

(۱۹) موسیٰ و ہارونؑ کی ہمارے ایک بندے (خضر) سے ملاقات ہوئی جو رحمت کے طور سے ہماری طرف سے لایا گیا ہے اور ہم نے اس کو اپنی طرف سے علم کی تعلیم دی تھی۔

(سورۃ کہف)

(۲۰) اے سخی کتاب کو پوری قوت سے لو اور ہم نے ان کو اپنا حکم دیا کم سنی میں۔ (سورۃ مریم)

(۲۱) عیسیٰ نبی نے کفار سے کہا میں بندہ خدا ہوں مجھ کو کتاب دی گئی ہے اور نبی بنایا گیا ہے (سورۃ مریم)

(۲۲) اے رسولؐ قرآن سے حکم پیش کرنے میں جلدی نہ کیا کرو۔ وحی کا انتظار کیا کرو اور کہتے رہو خداوند امیر علم کو اور زائد کر۔ (سورۃ طہ)

اس آیت سے بہت سی اور باتوں کا بھی انکشاف ہوا۔ الف قرآن مجید پہلے سے رسولؐ کو بتایا گیا تھا۔ علم بالقرآن پہلے سے تھا۔

(ب) علاوہ علم بالقرآن اور بھی وحی سے علم ہوتا رہتا تھا۔ (ج) زیادتی علم کا بھی حکم تھا۔

(د) قرآن کے بیان میں تعجیل کی ممانعت تھی، جتنا جس وقت وحی حکم دیتی تھی، رسولؐ قرآن کو اتنا ہی بیان فرماتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان کے لئے تنہا علم بالقرآن کافی نہیں ہے۔ رسولؐ کے ارشادات وحی معلوم کرنے کی بھی ضرورت ہے اور علم الحدیث علم بالقرآن سے علیحدہ شے ہے جب رسولؐ بہ حکم خدا مجبور ہیں کہ قرآن کو بغیر وحی آئے بیان نہ کریں تو امت کو کیا حق ہے کہ صرف قرآن مجید کو کافی سمجھے، اور ارشاد رسولؐ سے خود کو مستغنی بتاوے۔ ایسا شخص محض رسولؐ کا مخالف نہیں ہے بلکہ منکر خدا و منکر حکم خدا بھی ہے اور کافر ہے۔

(۲۲) اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا، (سورۃ انبیاء)

(۲۳) اور ہم نے سلیمان کو سمجھایا اور فہم و فراست دی اور ہم ہر ایک (نبی) کو حکم و علم دیتے ہیں۔ اور مسخر کیا ہم نے داؤد کے لئے پہاڑوں کو جو تسبیح کرتے ہیں، اور پرند جانوروں کو سلیمان و داؤد کے لئے مسخر کیا۔ اور یہ سب باتیں ہماری ہی جانب سے ہیں۔ (سورۃ انبیاء)

(۲۴) اور ہم نے سلیمانؑ کو پارچہ بانی سیکھائی (سورۃ انبیاء)

(۲۵) اور اس طرح سے ہم نے اتاریں ان پر روشن و ظاہر نشانیاں۔ (سورۃ حج)

(۲۶) پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو فرعون کے پاس اپنی نشانوں اور بڑی ظاہر دلیل کے ساتھ۔

(سورۃ مومنون)

(۲۷) اور اے رسولؐ ہم نے تم کو روشن نشانیاں دیں جس طرح سے تمہارے قبل کے رسولوں کو دیں تھیں، جو متقیوں کے لئے موعظہ ہیں۔ (سورہ نور)

(۲۸) اور جب موسیٰؑ سن تمیز کو پہنچے، اور سمجھ آئی تو ہم نے ان کو علم و حکم دیا، اور اسی طرح سے ہم محسنوں کو جزا دیتے ہیں۔ (سورہ قصص)

(۲۹) اور دیا ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق اور یعقوبؑ کو اور ان کی ذریت میں۔ کتاب و نبوت دی، اور دنیا میں ان کا اجر دے دیا اور آخرت میں وہ صالحوں میں ہیں۔ (سورہ عنکبوت)

(۳۰) اے نبیؐ تمہارے پہلے بھی ہم نے رسولؐ ان کی قوموں پر بھیجے تھے، جو بینات لے کر آئے تھے۔ جن لوگوں نے جرم کیا ہم نے ان سے انتقام لیا، اور ہم پر حق ہے کہ مومنوں کی مدد کریں۔ (سورہ روم)

(۳۱) ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے بارے میں بحث و مناظرہ کرتے ہیں، حالانکہ نہ ان کو علم ہوتا ہے نہ ہدایت اور نہ ان کے پاس کتاب منیر ہے۔ (سورہ لقمان)

نبیؐ کی قوت و اقتدار، اور اس کی ہستی کا اندازہ نہ ہونا اور یہ بھی نہ معلوم ہونا کہ خدا اور نبیؐ میں کیا تعلقات ہیں۔ باوجود نبیؐ کی معجز نمائی ان کی علمی قوت سے انکار بے عقلی و جہالت نہیں ہے۔ تو اور کیا ہے۔

(۳۲) اور موسیٰؑ و ہارونؑ کو ہم نے دی کتاب حقائق کی روشن و ظاہر کرنے والی۔ (سورہ صافات)

(۳۳) اور ہم نے ملک سلیمانؑ کو مضبوط کیا اور ان کو حکمت و فصل خطاب دی۔ (سورہ ص)

(۳۴) اور دیں ہم نے موسیٰؑ کو نشانیاں اور ظاہر و واضح دلیلیں، اور فرعون و ہامان، اور قارون کے پاس بھیجا مگر ان لوگوں نے کہا موسیٰؑ ساحر اور بڑے جھوٹے ہیں۔ (سورہ ہود)

(۳۵) خدا وہ ہے جس نے برحق کتاب اور میزان بھیجی (شوریٰ)

(۳۶) اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم و نبوت دی (حاشیہ)

(۳۷) ہمارا نبیؐ اپنی خواہش نفسانی سے کوئی بات نہیں کہتا جب تک ہماری وحی اس کو نہ پہونچے۔ اس کو بڑی قوت والے نے تعلیم دی تھی۔ (البقرہ)

(۳۸) خدائے رحمان نے قرآن تعلیم کیا۔ اور انسان کو خلق فرما کر بیان کی تعلیم دی۔ (رحمن)

(۳۹) خدا نے اپنے بندے (محمدؐ) پر واضح اور روشن نشانیاں اتاریں جب ہمارا نبیؐ بینات لے کر آیا تو لوگوں نے کہا یہ تو ظاہر بہ ظاہر سحر کرتا ہے۔ (سورہ صف)

(۴۰) خدا وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں رسولؐ کو بھیجا جو خدائی نشانیاں ان پر پیش کرتا، اور ان کو پاک کرتا اور کتاب و حکمت ان کو تعلیم کرتا۔ (سورہ جمعہ)

ہم نے کثرت سے ان قرآنی آیات کو جمع کر دیا ہے اس لئے کہ واضح ہو جاوے کہ خداوند کریم نے اپنے رسولوں کی قرآن مجید میں کس وضاحت سے تصویر کشی کی ہے۔

الف۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے تھے۔

ب۔ خدا نے علم و حکمت پڑھا دیا تھا

ج۔ خدا نے ان کے ذریعہ کتاب زبر و بینات و میزان بھیجی تھی۔

د۔ علوم و حکمت الہی کے جاننے والے تھے اور وہی تعلیم دیتے تھے۔

ہ۔ معجزہ خدائی علم و حکمت کی وجہ سے دکھاتے تھے۔

و۔ خدا ان کا مددگار ہوتا ہے یعنی نبیؐ خدا کے نام سے جو پیش کرے وہ خدا کی مدد سے ہو کر رہے گا۔ تخلف ناممکن ہے۔

ز۔ خدا پر تصدیق انبیاء کے لئے فرض ہے کہ نبیوں کی

پیش کردہ نشانیوں کو پورا کرے۔

ناممکن و محال عقلی ہے۔

پہلا امر خدا کے وجود قدرت سے بحث کرنا اس رسالہ کا موضوع نہیں ہے۔

دوسرا امر بھی موضوع کتاب سے خارج ہے۔ ثبوت ثبوت عامہ و خاصہ ہماری کتاب کا موضوع نہیں، وہ تو صرف ثبوت معجزہ کے لئے لکھی جا رہی ہے۔

تیسرا امر موضوع کتاب یہی ہے اور اسی کا ثبوت ہمارے ذمہ ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ پیش کردہ آیات قرآن ماننے والے کے لئے تو کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ معجزہ کے اقرار کو جزو ایمان سمجھے۔ قرآن مجید نے جس کو آیات و بینات جا بجا فرمایا ہے اسی کا نام معجزہ ہے۔ تم کو معجزے کے نام سے چڑھ ہے تو آیات بینات ہی کہو معجزہ نہ کہو۔ اس کی بنیاد بس اتنی ہے کہ علم و حکمت کے زور پر وہ ایک نشانی دکھا دے، جس کی نسبت خدا کی طرف ہو۔ اور یہ بات اس امر کے ثبوت میں ہو کہ وہ بیشک خدا کا فرستادہ ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ بڑے بڑے پیغمبروں کے ثابت کرنے کے لئے بڑی بڑی شہادتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی بعدہ سفارت آتا ہے تو پہلے ان نشانات کو دکھانے کی ضرورت ہوتی جو اس بات کو ثابت کر دیں کہ وہ اپنے بادشاہ کا معین کردہ ہے اور جب یہ ثابت ہو جاوے تو اس کی زبان کا ہر کلمہ بادشاہ کا حکم سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ ممکن ہے کہ خدا اپنی مرضی کے اظہار سے انسان کو فائدہ پہنچا دے تو یہ بھی ضروری بات ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کو ایسے وسائل و اسباب بھی عطا کرے جس کے ذریعہ سے وہ بندگان خدا کو تشفی و اطمینان دلا سکے کہ وہ خدا کا قاصد اور سفیر ہے۔

خدا کا نبیوں کا مددگار ہونا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اس کے یہی معنی ہیں۔ لہذا نبی کا دعویٰ علم و حکمت سے اور اس علم و حکمت کی عملی اور ظاہری نشانی بیشک معجزہ ہی ہے۔

چوتھا امر اس مدعی نبوت کی صداقت و کذب کا معیار

لہذا سمجھنا چاہیے کہ نبی آسمان کے تارے بھی توڑا دے لیکن وہ مذکورہ دعویٰ کرنے میں جھوٹا ہے اور کسی عالم و فلسفی کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ نبی کو جھٹلاوے۔ اس لئے کہ وہ ان علوم ربانی سے جاہل ہے لہذا وہ خود جھوٹا ہے۔ ایک شخص کسی علم کا ماہر ہے، اور اس کو دلیل کے ساتھ پیش کرتا ہے وہ اس وقت نہیں جھٹلایا جاسکتا ہے جب تک اس کی دلیل کی کمزوری ثابت نہ ہو۔ نبی اپنے دعوے میں کہتا ہے کہ میں خدا کا پڑھایا سیکھایا ہوا ہوں، علم و حکمت سے آراستہ ہوں علم و حکمت کو اپنی سچائی کا نشان بتاتا ہے۔ اور اسی علم و حکمت سے اپنے عملی نمونے پیش کرتا ہے جس کو معجزہ کہتے ہیں۔ تم اسی وقت اس کو جھٹلا سکتے ہو۔ جب کہ علم و حکمت سے اس کی عملی دلیل کو باطل کر سکو۔ محض قیاسی و تخمینی اور اپنے تجربی علم سے اس کو جھٹلانے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

ایک فلاسفر اپنے تجربیات و عملی انکشافات کو تقریر کے ساتھ مجبک لائین کے ذریعہ پیش کرتا ہے۔ اور اس صحبت میں موجود نہ ہونے والے بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ کتنی ہٹ دھرمی ہے جو ایک نبی کی اس علمی انکشاف میں تکذیب کریں جس کو وہ عملی حیثیت سے بھی پیش کرتا ہے جس کا نام معجزہ ہے۔ تم نبیوں کو جھٹلانے میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہو، جب ثابت کرو۔

(۱) خدا کوئی چیز نہیں ہے، نہ اس میں کوئی قوت و قدرت ہے۔
(۲) خدا قادر علیم و حکیم تو ہے مگر نبی بھیجنے کی اس کو ضرورت نہیں۔

(۳) یا معجزہ بے کار شے ہے اور اس کی ضرورت نہیں ہے۔
(۴) یا سب کچھ مسلم ہے لیکن مدعی نبوت جھوٹا ہے۔
(۵) یا نبی بھی سچا ہے لیکن جس معجزہ کی اس کی طرف نسبت دی گئی ہے وہ نسبت غلط ہے۔

(۶) یا یہ وہ نبی بے شک معجزہ نما ہے لیکن فلاں خاص معجزہ

بجز اس کے کیا ہے کہ اس کی علمی باتوں میں ایسی پختگی و یک رنگی ہو جو خدائی علم کا مظہر ہو۔ وہ اچھی اور سچی باتیں جو علماء اور حکماء کی زبان سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں، وہی دعوے نبوت کے لئے کافی نہیں ہوتیں۔ ورنہ ہر قوم ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ خوبیاں اور بھلائیاں ہیں تو کیا وہ سب خدائی مذہب ہیں۔ ہر گز نہیں۔ بے ڈھنگی اور بے اصولی باتیں انکا پول کھول دیتی ہیں۔ جو مذہب اول سے آخر تک اچھی باتیں بتاوے۔ اور فطرت انسانی کے مطابق ہو اور اس کی تائید عملی نشانیوں سے ہوتی ہو وہی جھوٹے اور سچے نبی کی کسوٹی ہے۔ بجز اس کے کہ آخری نشانی اور مختتم دلیل نبی کی سچائی کی معجزہ اور فوق العادت قوت کو قرار دیا جاوے عقلاً بتاؤ اس کے سوا اور کون شے اس کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔

پانچواں امر: جب ہم کسی نسبت کو کسی نبی کی طرف منسوب پاتے ہیں، تو ہم کو لازم ہے کہ اس کے متعلق پوری جانچ کریں کہ اس معجزہ کی نسبت تاریخی اور علمی معیار پر درست بھی ہے اور کامل احتیاط سے ان شہادتوں کی جانچ کریں، اور پھر اس نبی کے بیان اور دعوے میں اس معجزے کے علامات کو ڈھونڈیں، اگر اس اصول پر وہ واقعہ پورا اترے تو بیشک نسبت صحیح ہے ورنہ جھوٹی ہے، اور اس کے لئے ہمارے یہاں فن حدیث بڑی احتیاط سے قائم کیا گیا ہے جس کے بیان میں علم رجال سے ہم کو روایات کی پوری تحقیق اور ان کے حالات کی جانچ سب سے پہلے کرنا ہوتی ہے اس کے بعد فن درایۃ الحدیث سے ایک ایک روایت کو ہم چانچتے ہیں اصول فقہ علم کلام اور علم القرآن سے اس کی جانچ کرتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس معجزے کی نسبت اس رسول کی طرف صحیح یا غلط ہے۔ اسلام کو جہاں اپنی سچائی پر ناز ہے وہ محض لفاظی نہیں ہے جو شرمندہ معنی نہ ہو ثبوت سمعیات میں جو محتاط طریقہ مسلمانوں نے اختیار کیا ہے ہم کو فخر اور بجا طور پر فخر ہے۔

چھٹا امر: کسی خاص معجزے کو محض اس لئے غلط کہنا کہ وہ عقل میں نہیں سا تا غلط ہے۔ ایک اس لئے کہ درحقیقت معجزہ وہی ہے جس میں عقل عاجز ہو، اس لئے کہ جس علم سے اس معجزہ کا تعلق ہے وہ علم الہی ہے جو مافوق علم بشر کے ہے۔

اس کا علاج نہیں ہے کہ کوئی خدا سے برابری کا مدعی ہو یا خدائی علوم کو اپنے ہی تجرباتی علوم میں منحصر سمجھے۔ تاریخ ایسے لوگوں کے نام بھی پیش کرتی ہے جو اپنی دنیاوی وجاہت ذاتی اقتدار کے گھمنڈ میں اتر کر خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ ایسوں کا ذکر نہیں ہے، ایک صحیح الدماغ اگر خدا کے علم و قدرت کو غیر متناہی و محیط کل سمجھتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ اگر خود خدا آ کر کسی کے کان میں کہے اور یہ بھی ممکن ہو کہ فلاں معجزہ فلاں اصول کی بنا پر کیا گیا ہے تو تم سمجھ سکتے ہو بجز اس کے کون سا ذریعہ ہے تمہارے سمجھنے سمجھانے کا۔ معجزہ اسی لئے عاجز کنندہ ہے کہ وہ تمہارے علوم سے بالاتر بے نیاز ہے۔ ہم نے فلسفۃ الاسلام کی بارہ جلدوں میں اور اپنے دیگر مصنفات میں معجزوں کی فلاسفی لکھی ہے اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ حقیقت اس معجزے کی ہم بتا رہے ہیں بلکہ موجودہ سائنس اور فلسفہ کی ترقی سے سرشار ہستیاں سائنٹفک اصول کی دھن میں معجزوں سے انکار کر بیٹھتی ہیں۔ اس لئے انھیں کے اصول مسلمہ پر صرف امکان عقلی کا بیان مقصود ہوتا ہے ورنہ درحقیقت وہ معجزہ ہی کیا جو کسی کی سمجھ میں آ جاوے۔ اس لئے تحدی رکن اعظم معجزہ کی ہے ایک طرف انگریزی تعلیم یافتوں میں یہ مرض کہ جو ان کے علوم سے ٹھیک نہ بیٹھے اس سے انکار کر بیٹھیں دوسری طرف پرانے تعلیم یافتوں میں یہ وبا کہ جو چیزیں محض علمی اصول پر انبیاء و ائمہ نے پیش کی تھیں اور جن کا تعلق معجزے سے نہ تھا بلکہ صرف عملی تھیں، یہ معجزہ پرست خواہ ان کو بھی معجزے میں ٹھونسے ہیں اور سستی اور کاہلی سے مناظر کو معجزہ کہہ کر خاموش کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو عقل سے تمہاری بالاتر ہو وہ لائق تسلیم

نہیں ہے۔ یہ اصول کس قدر غلط و مہمل ہیں۔ وہ کون سا اصول ہے جس پر تمام عقلاء نے ہمیشہ اتفاق کیا ہے۔ اور کیا ضمانت ہے کہ جس چیز پر آج اتفاق ہے آئندہ بھی وہ اتفاق باقی رہے گا ہزاروں اصول فلسفہ اور نظام عقلیہ دنیا میں قائم ہوئے اور ان کی غلطیاں بھی دنیا میں ثابت ہو چکیں۔ نت نئی تحقیقات ہوتی ہے، اور جو آج سمجھ سے باہر اور غلط سمجھتے ہو، کل وہی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور کوئی سربھی نہیں ہلاتا۔ مگر معجزہ یا کسی مذہبی بات کا زبان پر ذکر آیا، فوری یہ دواچی عقل والے چیخ اٹھتے ہیں اس لئے اور صرف اس لئے کہ اُن کے قانون فلسفہ کے خلاف ہے۔ اور ان کا فلسفی قانون غیر مبتدل ہے، اس غلط کاری کا علاج ہی کیا ہے۔ پچھلے زمانے والے بھی تو یہی کہہ کر انبیاء کو جھٹلاتے تھے، آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کے ماننے والے یہ دیکھتے ہوتے کہ خلیفۃ اللہ (نبی) کا علم ملکی علم سے بھی زیادہ ہوتا ہے وہ ان دنیا کے چند خود ساختہ علوم سے مرعوب ہو کر علم الہی کے منکر ہو جاتے ہیں یا اس کے علم کو اپنے علوم کا تابع سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔

(۲)

معجزات کے منشاء سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ بار بار نہیں ہو سکتا، اس لئے کے تابع قوانین طبعی نہیں ہے جو بار بار ہو سکے یہ ایک میں فرق ہے، معجزہ اور سائنس کے کرتبوں میں سائنسٹ جس چیز کی ایجاد کر دیتا ہے لاکھوں بار اور لاکھوں آدمی اس ایجاد کے استعمال اور اس کی ساخت بلکہ اس میں ترمیمیں کر سکتے ہیں، بخلاف معجزہ، نہ وہ بار بار دکھایا جاسکتا ہے نہ دوسروں کو تعلیم ہو سکتا ہے نہ اس میں ترمیم اور اصلاح کی گنجائش ہے۔

یہ الہی قدرت جس کے وسیلے سے معجزات ہوتے ہیں فوق العادۃ قوت ہوتی ہے جو مخصوص وسائل کی وساطت سے اور فقط خدا کی فوق العادۃ قدرت کے ذریعہ واقع ہوتے ہیں،

وہ نہ صرف خدا کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ خدا کی اس نجات بخش قدرت کا نشان ہیں جو دنیا کو اس خرابی و گمراہی سے رہا کرتا ہے جو گناہوں بد اخلاقیوں کے سبب سے پیدا ہو گئی ہیں۔ جب ہم اس عظیم مخصوص مقصد پر غور کرتے ہیں جس کا ادا کرنا خدا کو مد نظر تھا تو معجزات کا واقع ہونا ناممکن نہ ہوا اور جو لوگ معجزات سے انکار کرتے ہیں نہ وہ قدرت خدا کے قائل ہیں نہ اس بات کہ قائل ہیں کے ہماری اخلاق کی درستی و اخروی زندگی کا زائد مدار اسی پر ہے۔ نہ وہ اس کے قائل ہیں کہ خدا کی درگاہ میں انسانی بہبودی کا خیال جوش زن ہے اور خدا انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان عجیب نشانیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ معجزے کی حیرت خیز خاصیت کا فقط یہی مقصد ہے کہ وہ ان کو جو خواب غفلت میں مبتلا ہیں اپنی تعجب انگیز تاثیر سے جگا دے تاکہ وہ اس پیغام کو سنیں جو نبی سنانے آیا ہے۔

(۳)

جب ہم اس بات کو مانے ہوئے ہیں کہ دنیا اپنی ہستی اور موجودگی میں خدائے قادر و مختار کی مرضی پر منحصر ہے اور خدا اپنے کام سے علیحدہ نہیں ہو گیا ہے، بلکہ اسے جاری رکھتا ہے۔ اپنی مصلحت و مشیت کے موافق، تو اب یہ کہنا کہ بنا بر مشیت الہی معجزہ دکھانا ناممکن ہے یہ غلط ہو گیا۔ معجزات ایسے تجاویز نہیں ہیں، جو خدا کو بعد میں سوچے ہوں بلکہ معجزات کا اعلیٰ مطلب یہ ہے کہ جس کمال کو انتظام موجودات نے کھودیا ہے، وہ اس سر نو حاصل ہو، اور وہ خرابیاں دور ہو جائیں، جنہوں نے اس کے انتظام میں ابتری اور رخنہ پیدا کر دیا ہے۔ کسی بیمار کو اچھا کرنا فطرت کے برخلاف نہیں ہے بلکہ بیماری برخلاف ہے، لہذا شفا دینا اصلی ترتیب کا از سر نو قائم کرنا ہے۔ پھر ہم دوبارہ وہی سوال پیش کرتے ہیں کہ کیا معجزے سے ترتیب مقررہ میں رخنہ ڈالنا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دنیا میں یہی ہوتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے قانون اعلیٰ درجہ کے قوانین و اصول سے روکے جاتے ہیں جمادات، نباتات، حیوانات میں درجہ بہ درجہ یہ تصرف دیکھا گیا ہے۔ کیمیائی قوانین پر زندگی کے قوانین و

اصول غالب آتے ہیں، اور جسمانی قوانین پر روحانی و ناموسی قوانین مسلط ہوتے ہیں، کیماوی اصول یہ ہے کہ جب کوئی بھی مرکب تحلیل ہو جاوے تو اس میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے قانون تدبیروں سے بیکار کر دیئے جاتے ہیں۔ اسپرٹ میں مردہ جانور عرصہ تک رہتا ہے یونانی گوشت کو نمک اور شہد وغیرہ سے قائم رکھتے تھے۔ زمانہ سابق میں مصرانی اپنے مردوں کو ہزاروں سال مومی کر کے سڑنے گلنے سے محفوظ رکھتے تھے، پھر کیا ان قوانین سے کیمیاوی قوانین فنا ہو جاتے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ کیمیاوی قانون ان مسالوں کے قوانین کے تابع ہو جاتے ہیں پمپ کے ذریعہ پانی اوپر چڑھایا جاتا ہے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ قانون ثقل ٹوٹ گیا ہے، اب دنیا فنا ہو جاوے گی ایک ڈوبے ہوئے جہاز کو بذریعہ جرنیئل سمندر کی تہ سے نکال لاتے ہیں۔ قانون ثقل نہیں ٹوٹتا۔ مگر یہ کہنے سے قانون ثقل ٹوٹا جاتا ہے اور قیامت برپا ہوتی جاتی ہے، اگر کہو ڈوبے ہوئے جہاز کو خدا کی قوت نے ایک نبی کے ہاتھ سے پانی کی تہ سے نکالا، حالانکہ فرق اتنا ہی ہے کہ آدمی کا ہاتھ جو جہاز کو سمندر کی تہ سے نکال لاتا ہے وہ دکھائی دیتا ہے۔ اور خدا کا یہ قدرت جو اس جہاز کو سطح سمندر پر ابھار لایا وہ دکھائی نہیں دیتا۔ جہاز کو پانی سے نکالنے کے واسطے جتنی قوت و طاقت کی ضرورت ہے وہ دونوں صورتوں میں موجود ہے خواہ وہ خدا کی طاقت ہو یا انسان کی اس سے نیچر یا قانون کا ٹوٹنا کب لازم آیا۔

ہمارے اس بیان سے دو نتیجہ برآمد ہوئے ایک یہ کہ ادنیٰ درجہ کی طاقتوں کو عمل میں لانے سے اعلیٰ درجہ کی طاقتوں کی مداخلت کی نفی نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ ان قوانین کی بناء پر اعلیٰ قوانین اور بڑی قدرتوں کی مداخلت ناممکن ہے تو یہ بات خود محتاج ثبوت ہے۔ ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اعلیٰ ترین طاقت کو کمتر طاقت مداخلت سے کیسے روک سکتی ہے۔ معمولی عقل اور روزمرہ کے تجربات خود بتاتے رہتے ہیں۔ دوسرے

یہ کہ اعلیٰ درجہ کی مداخلت سے قانون قدرت ساقط نہیں ہوتا۔ یہی حال معجزے کا ہے، وہ طاقتیں جو انسانی مشاہدات میں آتی ہیں تابع ہو جاتی ہیں۔ اس اعلیٰ ترین طاقت کے جو خدا کی ہے۔

(۴)

ایک اور سوال ہوتا ہے کہ جو طاقتیں دنیا میں محسوس ہوتی ہیں وہ جو کام کرتی ہیں، بہت عرصہ کے بعد کرتی ہیں، اور معجزات میں نیچروں کی طاقت کا عمل معمول سے بہت زائد تیز ہوتا ہے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو خدا کے لئے ناممکن ہو۔ انسان بھی نیچر کی طاقت کو قابو میں کر لینے کے بعد ایسے نتائج نکال لیتا ہے جو نیچر سے از خود نہیں ہو سکتے، فرق صرف اتنا ہے کہ الہی معجزات میں کسی طرح کی معمولی وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور انسان فوق العادہ امور بدون وسائل وقوع میں نہیں آسکتے۔

(۵)

فطرت و قانون قدرت غیر متبدل ہے، اور اس لئے معجزہ خلل اندازی ہے قانون فطرت میں جو محال ہے۔ ہر چند آرٹکل گذشتہ میں ہم مفصل جواب دے چکے ہیں، لیکن پھر بھی اس نظریہ کی جانچ زائد تفصیل سے ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ قانون فطرت یا قانون قدرت کیا ہے جو غیر متبدل ہے، ہم تو صبح و شام تبدیلی دیکھتے ہیں پھر غیر متبدل کہنا کہاں تک صحیح ہے، اور جس شے میں تبدیلی ہوتی ہے وہ قانون نہیں کہلاتا ہے۔ لہذا جس کو تم قانون کہتے ہو وہ درحقیقت قانون نہیں ہے۔ جس قانون کے تم پرستار ہو وہ ایک نامعلوم قانون ہے، جس کا خلاف برابر ہوتا رہتا ہے۔ ہزاروں خلاف فطرت باتیں ظہور میں آتی رہتی ہیں، بات یہ ہے کہ تفحص و استقراء تام جب تک نہ ہو اس وقت تک حد بندی کرنا غلط ہے۔ تمہارا تفحص و استقراء ہی ناقص ہے اور علم محدود ہے۔ لہذا نتائج بھی اس ناقص استقراء کے غلط ہوتے ہیں اور یہی پہلی غلطی ہے جو تعین فطرت میں کی گئی ہے۔ خلاف واقعات کو دیکھو ”سایکلو پیڈیا ایڈیشن“ ۱۱ جلد ۲۲ صفحہ

۵۴۱ سے فوق الفطرت مظاہر کا مشاہدہ ہر ملک، ہر زمانے میں بے شمار لوگوں کو ہوا ہے جس پر ان کو کامل یقین تھا۔ حال میں ایسے مشاہدات نے سائنٹفک صورت اختیار کر لی ہے جس کا نام سائیکل ریسرچ (تحقیق روحانیت) ہے ایسے مظاہر میں پیشین گوئیاں، آگ پر چلنا، بے جان چیزوں کی حرکت، وسایط کا ہلکا پڑ جانا، روحوں کا نمودار ہونا، مکانوں کا آسیب زدہ ہونا، مرضوں کا یکا یک دفع کرنا، بلور میں بغور دیکھنے سے گذشتہ اور آئندہ واقعات کا نمودار ہونا۔ مذکورہ تمام واقعات قدیم تاریخ روم و یونان و تاریخ مشرق و مغرب کے ازمنہ وسطیٰ و حال کی تاریخ چین، جاپان، ہند، امریکہ، کے اصلی باشندوں کے عقائد میں پائے جاتے ہیں، اور مختلف زبانوں میں ان کی عقلی تحقیقات کی گئی ہے،

”سینٹ آگسٹائن“ نے ان تمام مطالب پر مفصل بحث کی ہے۔ اور دفع امراض کے معجزات کی بحث اس کی بے مثل ہے۔ پندرہویں صدی کے ”پیٹرس تھائرس“ اور ”ایس جے وائرس“ اور ”لڈوگ لیوائر“ اور سولہویں صدی کے دیگر مصنفین کے بعد ”گلا نیول“ ”تھری فور“ ”باکسٹ بوائٹل“ ”کائن متھرز“ وغیرہ نے امریکہ و انگلینڈ میں ان امور کی تحقیقات جاری رکھی اور کوشش کی گئی کہ عینی شہادت حاصل کی جاوے ”گلا نیول“ نے کھٹکھٹانے ڈمول والے کی عین موقع پر ۱۶۰۳ء میں تحقیقات کی اور قصبہ ”ایپ ورتھ“ میں ”ویز کی“ کے مکان میں جو مظاہرے ہوئے تھے وہ بڑی شہرت رکھتے ہیں اور معاصرین کی شہادتیں تاریخ میں موجود ہیں، جو ۱۶۱۷ء مابعد کے ہیں ”ڈیوڈ ہیوم“ نے جن مسائل کو اپنے نزدیک طے سمجھ لیا وہ واقعہ سوئڈن برگ، مسمر اور اس کے شاگردوں کے تجربات سے اور زائد زندہ ہوا، اور جرمن فلاسفر ”کانٹ“ ان سے متحیر ہوا اور بڑی دلچسپی لیتا رہا۔ مسمر کا بھی تک اثر باقی ہے اور حیوانی مقناطیسیت کو ”ہیکل“ تسلیم کر لیا اور اس کی توجہ کی ۱۸۸۲ء میں سوسائٹی سائیکل ریسرچ قائم ہوئی جس کے

صدر ”ہنری مینوگ“ تھے جو کیمبرج یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر تھے۔ اس انجمن کا مقصد امور عجیبہ کی تفتیش و تحقیق کو سائنس کے قواعد پر جاری رکھنا تھا۔ اور سربراہ و مددہ حضرات جو اس انجمن کی ابتدا میں ممبر ہوئے حسب ذیل تھے۔: اینڈرمنڈ گرنی، اے جے بالفور، اینڈر بولنگ، پروفیسر بیرٹ، مسٹر سبوک، ایف پاؤ مور لارڈ ٹینسن، لارڈ الے، پروفیسر ایڈمر، اور حسب ذیل حضرات اس کے صدر رہے۔ پروفیسر بالفور اسٹوارٹ، اے جے بالفور، پروفیسر ولیم جیسیم (ہارورڈ) سر ولیم کرک، اس سوسائٹی نے بہت سی جلدیں اپنی تحقیقات کی شائع کیں۔ جس قدر اس کے وسائل تھے جن سے اطلاع بہم پہنچائیں سترہ ہزار سے زائد جوابات سوالوں کے وصول ہوئے جس کو اس جماعت نے شائع کیا تھا اقراری جوابات دینے والوں میں سے جرح کی گئی ان کی دماغی اور جسمی حالت کا معائنہ کیا گیا، ان کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ ۱۹۵۲ء ایسے واقعات تھے جن میں کوئی شخص لوگوں کو دکھائی دیا حالانکہ وہ اس شہر میں نہ تھا یا مرچکا تھا۔ اسی صورتوں میں ایسا واقعہ ہوا کہ جس شخص کو اس طرح سے دیکھا گیا بارہ گھنٹے کے اندر ہی اس کی موت ہو چکی تھی۔ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شہادت کی بنا پر جو سامنے ہے زید کی موت میں اور دوسرے مقام پر اس کے دیکھے جانے میں علت و معلول کا علاقہ ہے۔ اگر ہم شہادت کو قبول کر لیں تو یہ ثابت ہے کہ زندہ اشخاص جو دور دور مقامات پر ہوں بلا ارادہ ایسے اثرات پیدا کر سکتے ہیں جو مردوں کی روح کی طرف منسوب کئے جاسکتے ہیں۔ سوسائٹی کے تحقیقات کے نتائج توقع سے بہت زائد ہیں، باوجودیکہ موضوع بہت مشکل ہے۔ انسانی غلطی کا تاریخ میں ایک حیرت انگیز باب کی کنجی مبدل شخصیت کا واقعہ ہے۔

(جس میں انسان پر دوسری روح آجاتی ہے) انسانی قوائے کی تحقیق کبھی ضائع نہیں ہوتی، چنانچہ امراض دماغ کے علاج میں اس تحقیقات میں بہت علمی نتائج حاصل ہوتے ہیں

بہت کراماتی شفا بخشی کے واقعات اور خود بخود بدن پر داغ پڑ جانا سمجھ میں آ جاتا ہے، جب کہ جدید تجربات پر نظر کی جاوے، اور یہ سب ”اشارہ“ سے ہوتا ہے لیکن توجہ پر توجہ آئندہ نسلوں کا کام ہے۔ سوسائٹی کی تحقیقات نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے، کہ فوق الفطرت واقعات ہوا کرتے ہیں، اور ان کا وقوع دنیا کی تمام قوموں میں اور ہر زمانے میں ہوا ہے۔ موجودہ بحث کے بعد ہم کو مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چند واقعات اور سن لوجو قدرت و قناعتاً پیش کرتی ہے اور جو فلاسفہ کے بس کے نہیں ہیں اور نہ کسی قانون طبعی کے ماتحت ہیں۔ لیکن تم ان واقعات کی تصدیق بے چون و چرا کر لیتے ہو اور معجزہ کے طور پر خدائی قدرت نمایاں اگر پیش کی جاتی ہیں تو ہائے وادیلای کی کوئی حد نہیں رہتی۔ گذشتہ بیان سے کثیر معجزات کا ثبوت سہولت سے مل جاتا ہے۔ مثلاً بیک وقت جناب امیر کا ہر میت کے سر ہانے تشریف لانا قبروں میں ائمہ کا آنا، غیر ملکوں میں دکھائی دینا، نبیوں اماموں کا علاج مریضوں کو ہاتھ پھیر کر اچھا کرنا، روحوں سے باتیں کرنا، روحوں سے ملاقاتیں، مرنے کے بعد زندوں کی امداد وغیرہ۔ اس طرح ذیل کے فطرت شکن واقعات کو دیکھو اور معجزوں کا اقرار کرو۔

(۱) رسالہ حمید یہ مطبوعہ مصر میں ایک امریکن عورت کی حکایت چشم دید لکھی ہے وہ ایسے ایک مرض میں مبتلا ہوئی کہ سوتے میں باتیں کرتی تھی اور بیداری میں جو کام ہوتے ہیں سوتے میں کیا کرتی۔ شدت مرض میں یہی عورت آنکھیں بند کر کے تاریکی میں باریک خط پڑھتی، اطباء یونان نے اس مرض کا نام ”نوم بالیقظ“ رکھا ہے اور اکثر مریض کم و بیش مرض میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ اس خرق عادت پر سہولت سے اعتقاد کر لو گے۔ لیکن جب رسول خدا کی بابت ہم کہتے ہیں کہ وہ سوتے میں بھی اسی طرح دیکھتے اور سنتے تھے جیسا کہ جاگتے میں تو بلا وجہ صاف انکار کر دو گے۔

(۲) آیزون امرت سر جلد ۲ نمبر ۹۱۰ء میں شائع

ہوا تھا بحیرہ باطوم میں ایک بڑی مچھلی پکڑی گئی جس کی پشت پر بہ قلم قدرت کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لکھا تھا سیکڑوں آدمیوں نے اس کی زیارت کی۔ ٹرکی شہ بندر نے اس خبر کو سن کر خود باطوم میں آکر مچھلی کو سرکاری طور پر حاجی احمد کی زیر نگرانی روسی جہاز سے آستانہ بھیج دیا۔

اس واقعہ کی تصدیق تو عینی شہدوں کی شہادت سے کر لو گے لیکن اسلامی حدیثیں ماننے پر ہرگز تیار نہ ہو گے۔ مثلاً رسول خدا کے شانوں پر مہر نبوت کا ہونا۔ چاند سورج پر بہ خط نورانی کلمہ طیبہ کا لکھا ہونا۔

(۳) دودھ کا نیچر یہ ہے کہ جب حیوانات حاملہ ہوتے ہیں تب دودھ دیتے ہیں لیکن بعض امراض میں بھی یہی ہوتا ہے، لیکن خلاف فطرت ہند میں بھی شجر حلیب ہے جس سے انسانی دودھ نکلتا ہے، اور گرازیل میں، ہاساروند با، ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخ سے ایسا دودھ نکلتا ہے جس سے وہاں کے باشندوں کی حیات کا مدار ہے۔ اس درخت کے وجود کا اقرار کر لیتے ہو لیکن حدیث میں اس جنتی درخت کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے جس سے اطفال مومنین کی پرورش ہوتی ہے۔ (۴) گوشت کھانے والا پودا، ڈارون نے کہا تھا، بعض

ایسے پودے ہیں جو کھیاں، اور دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑے کھاتے ہیں اور نہایت چالاکی سے انہیں شکار کرتے ہیں، یہ پودے عام طور پر ایسی دلدلوں میں پائے جاتے ہیں، جہاں ان کی نشوونما کے لئے نائٹروٹ، یا معدنی غذا موجود نہیں ہوتی، اسی لئے ان کو گوشت خور بننا پڑتا ہے انگلستان میں ایک ایسا پودہ ہے جسے ”سنڈیو“ کہتے ہیں یہ پودا کلکتہ کے ”یوٹیل گارڈ“ میں بھی ہے جو کھیاں کھاتا ہے اس کے پتے کو خورد بین کے ذریعے دیکھنے سے سرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے بال نظر آتے ہیں اور ہر بال کے سر پر نمایاں غدود ہوتے ہیں جو دھوپ میں شبہم کے قطروں کی طرح چمکتے ہیں۔ اسی لئے اس پودے کا نام ”سن ڈیو“ ہے جوں ہی کوئی مکھی یا چھوٹی تنلی یا رینگنے

والا کیڑا اس کے پتے پر پہنچتا ہے، اس کے بال مکڑی کے پیروں کی طرح متحرک ہوتے ہیں، اور فوراً شکار کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اور پتہ اس طرح سے سکڑ جاتا ہے کہ شکار اس کے بیچ میں آ جاتا ہے۔ اس کے بعد عمل شروع ہوتا ہے جن سے ایک پتلی سیال شے نکلتی ہے۔ ڈارون نے ثابت کیا ہے کہ غذا کے ہضم کرنے میں اس عرق کا اثر بالکل وہی ہوتا ہے جو دوسرے جانوروں میں غدد سے خارج ہونے والے مادے کا ہوتا ہے۔ دوسرے ممالک میں ایسے گوشت خوار درخت پائے جاتے ہیں جن کے پتے ایک فٹ لمبے ہوتے ہیں اور یہ بڑے بڑے تنلیوں، بھوروں وغیرہ کا شکار کر کے کھا جاتے ہیں ”سن ڈیو“ کے علاوہ ایک اور پودہ ہوتا ہے جس کے پتے سبز (روئی) مائل ستاروں کی شکل کے ہوتے ہیں ان میں غدد دو ہوتے ہیں مگر بال نہیں ہوتے اس لئے جب کوئی کیڑا ان پر آتا ہے تو ان کے کنارے سکڑ کر اسے پکڑ لیتے ہیں۔ سب سے زائد حیرت خیز امریکہ کا ایک پودا ہے جسے ”وسنپس ٹریپ“ یعنی زہرہ کا قفس کہتے ہیں۔ اس کے پتوں پر چھوٹے چھوٹے دانوں کی دو رویہ قطاریں ہوتی ہیں جن پر بیٹھتے ہی مکھی گرفتار ہو جاتی ہے۔ یہ نباتی خلاف فطرت بات تو مشاہدے کی وجہ سے مان لی جاتی ہے، لیکن قرآن مجید میں عصائے جناب موسیٰ کے اس خاصہ سے بلا دلیل انکار کر دیتے ہو ”فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى“ نباتات میں روح حیوانی کے تو قائل ہو۔ اور قرآن وحدیث اگر اسی بات کو بتا دے تو سننے کے لئے تیار نہیں ہو۔ درختوں کا تعظیم رسولؐ و علیؑ مرتضیٰ کے لئے جھکنا یا باتیں کرنا حضرت موسیٰ سے درخت کا باتیں کرنا اس کو تعصب کی وجہ سے نہ مانو گے۔

(۵) تمام باغبان ہندوستان کے چھوٹی موٹی کے پودے کو پہچانتے ہیں جو ہاتھ لگنے سے مرجھا جاتی ہے۔ لچونی صرف انسانی سایہ پڑنے سے کمہلاتی ہے، لیکن جب احادیث کے ان واقعات کو سنتے ہو کہ خرمہ اور بید کے درخت حضرت

رسولؐ اور علیؑ مرتضیٰ کی تعظیم کرتے، سلام کرتے تھے تو صاف انکار کر دیتے ہو۔

(۶) خلاف نیچر ایک دوازدہ سالہ لڑکی کے عجیب و غریب واقعات لکھے گئے ہیں، لڑکی ”ولاڈیکا دواس“ واقعہ کا کیشن کی رہنے والی تھی، ایک کاریگر ”لوبا“ نامی لڑکی کا باپ تھا یہ لڑکی جس چیز کے پاس سے گذرتی تھی وہ خود بخود حرکت کرتی، اگر کھانے کی میز کے پاس جاتی تو اس پر رکھی ہوئی چیزیں ناچنا شروع کر دیتیں۔ لگنی پر پڑے ہوئے کپڑے اڑنے لگتے میز پر رکھی ہوئی بوتل ہوا میں اٹھ جاتی، زمین پر پڑی ہوئی کنکریاں اچھلنے لگتیں۔ یہ لڑکی ہر قسم سے تندرست تھی، اور مذکورہ واقعات کو دیکھ دیکھ کر ہنستی جو اس کے قدموں کی برکت سے پیش آتے تھے۔ یہ عقدہ کسی نے حل نہ کیا حالانکہ بہت سے ماہرین طبوعات، اور سائنسٹس نے اس پر غور کیا۔ لڑکی کے والدین غریب تھے، اور چاہتے تھے لڑکی کہیں نوکری کر لے، لیکن کوئی اس کو آسیب زدہ سمجھ کر نوکری نہ رکھتا تھا۔ اس کو ”پادری جان سالمن کیر انسٹید“ ساکن، سنٹ پیٹرسبرگ، کی خدمت میں بھیجا گیا تاکہ آسیب کا اتار کریں، اطبا بھی اس عجیب و غریب مقناطیسی لڑکی کا امتحان کریں۔

(ہندوستان یکم جون ۱۹۰۴ء نمبر ۳۳ جلد ۲۲ لکھنؤ) یہ قدرتی خرق عادت دیکھو اور پہاڑوں کے پتھروں کا خدمت رسولؐ و علیؑ مرتضیٰ میں حاضر ہونا۔ درختوں کی پتیوں اور شاخوں کا ٹوٹ ٹوٹ کر حاضر ہونا۔ میوؤں کا دور دراز مسافت طے کر کے از خود آنا۔ بہشت سے سنگ اسود کا آنا باور نہ کرو گے۔

(۷) جزیرہ ”باسفیک“ میں روٹی کا درخت ہے جس میں گول روٹیاں پیدا ہوتی ہیں چھوٹی کا قطر چار انچ اور بڑی کا قطر سات انچ ہوتا ہے آٹھ ماہ تک وہاں کے باشندوں کو برابر یہ روٹی ملتی ہے لیکن بنی اسرائیل پر من و سلویٰ آنا، بے فصل کے میوے اور ہر یسہ کا جنت سے دختر طاہرہ رسولؐ کے گھر میں آنا

ہوں، لیکن واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔ عام زمینوں سے زائد اس زمین کے ذرات مادہ میں شعور ہونا، اور صدا پیدا کرنا صاف ذرات مادہ کی حیات کا پتہ دیتا ہے تسبیح حصا، اور جناب امیر سے زمین کا باتیں کرنا، بعد شہادت امام حسینؑ زمین سے خون ابلنا، قیامت کے قریب زمین کا خبر دینا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ کیوں ان واقعات کو جھٹلاتے ہو۔

(۱۰) ناگپور وغیرہ کے جنگلوں میں بعض ایسے درخت ہیں جس کے چھونے سے ایسا جھٹکا پڑتا ہے کہ آدمی گر جاتا ہے گویا بجلی کے تار پر ہاتھ پڑ گیا۔ دوپہر کے وقت اس کا زور بڑھ جاتا ہے۔ اور آدھی رات کو کم ہو جاتا ہے۔ صرف برسات میں یہ اثر جاتا رہتا ہے۔ اس موسم میں جانور آسانی سے اس پر بسیرا لیتے ہیں۔ دنیا میں ایسے قدرتی ہزاروں عجائبات و خوارق عادات ہیں جو تاریخی شہادت کی بنا پر نہیں جھٹلاتے ہو۔ لیکن حدیث و قرآن کے واقعات تاریخی کو بلا دلیل جھٹلا دیتے ہو۔

(۶) اب ان خوارق عادات کو دیکھو جو روزمرہ انسانی قوت علم و حکمت کے ذریعہ سے ہزاروں کی تعداد میں ہوتے رہتے ہیں۔ اور قبل وقوع بڑے بڑے فلاسفہ بھی ان کو جھٹلاتے تھے چند بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں (۱) گندے انڈے سے خراب ہوا نکال کر پھر سے درست کر لینا جو عہد جالینوس میں ہوتا تھا اور شیخ الرئیس نے قانون میں لکھا ہے۔

(۲) اکسیر سازی، جس کے ذریعہ سے ایک دھات دوسری دھات میں منتقل ہو جاتی ہے۔ پارے تانبے سے چاندی سونا بنانا۔ موجودہ سائنس ہمیشہ سے انکار کرتی رہی۔ لیکن جب امریکہ میں اس کا تجربہ شروع ہوا، اور ایک کیمسٹ نے سونا بنا لیا تو اب اقرار پر مجبور ہو۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کا قارون کو علم اکسیر تعلیم فرمانا، جناب فضہؑ نیز خاص جناب سیدہؑ اس علم کو جاننا، اور جناب امیرؑ اس علم سے باخبر ہونا جب حدیثوں سے بیان ہوتا ہے تو تمسخر کرتے ہو۔

(۸) ”کیوبا“ میں ایک قسم کا جگنو جن کو ”کنگلیو جو“ کہتے ہیں بکثرت پائے جاتے ہیں یہ تمام روشنی دینے والوں جانوروں پر فضیلت رکھتے ہیں، اس لئے کہ ان میں بہت زائد روشنی ہوتی ہے۔۔۔ کنگلیو جو کی روشنی ایک موم جی کی روشنی کے برابر ہوتی ہے۔ ان کی روشنی میں دو منٹ کے اندر عکسی تصویر چھپ جاتی ہے ”کیوبا“ کے لوگ رات کے وقت ان کو کاغذی لالٹینوں میں رکھ لیتے ہیں، اور ان کی روشنی میں راہ طے کرتے ہیں۔ گھروں کے اندر بھی ان کی روشنی سے کام لیتے ہیں کبھی بوط پر ایک جگنو باندھ لیتے ہیں جس کی روشنی میں راستہ نظر آتا ہے عورتیں بجائے زیور زینت کے لئے اپنے لباس اور سر کے بالوں میں چند جگنوں لگاتی ہیں۔ یہ جگنوں اور اسی قسم کی روشنی دینے والے مادے فاسفرس، مارچ گنیر، ریڈیم، وغیرہ کا وجود قدرتی طور پر موجود ہے لیکن حضرت موسیٰ کا ید بیضا، جناب سیدہ اور حسنین علیہم السلام کی پیشانی کا نور کسی طرح سے سمجھ میں آنے کے قابل نہیں ہے۔

(۹) ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک ایسی زمین ہے جس پر قدم رکھنے سے بالو سے عجیب و غریب آواز پیدا ہوتی ہے، ملک کے دیگر حصوں میں بھی ایسے قطعات زمین ہیں۔ صرف امریکہ ہی میں نہیں بلکہ شمالی افریقہ کے بعض خطوں میں مسافروں نے زمین سے عجیب و غریب آوازیں سنی ہیں جیسے کوئی ہنس رہا ہو۔ چائل میں ایسا بالوملتا ہے جس سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز نکلتی ہے وہاں ایسے پہاڑ بھی ہیں جن سے سسکیاں لینے کی آواز۔ رونے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہاں کے مقامی باشندوں کا خیال ہے کہ ان پہاڑوں میں بھوتوں کا عمل ہے۔ ”نوادا“ میں ایک پہاڑ ہے جس سے گھنٹہ بجنے کی آواز آتی ہے ”ہوانا“ کے بعض پہاڑوں سے ایسی آوازیں آتی ہیں جیسے کتا بھونک رہا ہو۔

(ٹٹ ٹبس لندن) سائنس داں اگرچہ قصہ کو نہ سمجھ سکے

پیشاب کی بدولت تحقیق کیا آج دنیا میں بڑے بڑے
انکشافات بطور خرق عادت کئے گئے ہیں۔

الف۔ اسکی بدولت صندوقوں کے اندر کی اشیاء کا باہر
سے بخوبی معائنہ ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی نبی وامام کی نظر کی قوت
کا اب تک انکار ہے۔ وہ انھیں آنکھوں سے گھروں کے اندر کے
حالات زمین کے دفینے پانی کے چشمے دیکھ کر بتا دیتے تھے۔

ب۔ اس کے اثر سے انسان ہزاروں برس زندہ رہ سکتا
ہے۔ جس کی بڑی کوشش سے تجربے ہو رہے ہیں۔ اس کا
خاصہ ہے کہ اگر جاندار کو ریڈیم کے ساتھ رکھ کر بند کر دیا
جاوے تو جب تک اس کے ساتھ بند رہے گا زندہ رہے گا، اس
طرح کہ اس کے قوایں معطل ہو جائیں گے جب وہ اس سے
علحدہ کیا جاوے گا پھر زندہ ہو جاوے گا۔ تجربے سے معلوم ہوتا
ہے کہ ریڈیم دھات کے ساتھ بند رہنے سے بعض جانور تو مر
گئے، بعض زندہ رہے، اور بعض معطل ہو گئے ذرا جرمی کے
تجربہ خانوں میں جا کر ان تماشوں کو دیکھو تو آنکھیں کھلیں۔
لیکن قرآن مجید جب نمرودی اور خلیلی مناظرہ کو پیش کرتا ہے اور
اس کی قوت علمی کو بیان کرتا ہے۔ ”انا احی و امیت“ تو یقیناً
نہیں کرتے۔

باجود اس خاصہ ریڈیم معلوم ہونے کے اور یہ بھی تحقیق
ہو جانے کے ریڈیم جزو جسم انسانی ہے پھر بھی نہ مانو گے کہ
اصحاب کہف آرام کی نیند غار میں سو رہے ہیں، جہاں ممکن ہے
ریڈیم دھات یا اس کے مثل اور کوئی دھات موجود ہو۔

یا حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت، امام عصر ہزاروں
سال سے زندہ موجود ہیں، ان کی جسمانی ترکیب میں ریڈیم
دھات یا اور کسی قسم کی کوئی دھات خاص انداز سے موجود ہو جو
ہزاروں سال ان کو زندہ موجود رکھ سکے۔

ج۔ اسی ریڈیم دھات سے سرطان اچھے کئے جاتے
ہیں لیکن ایک معجزہ نما کا ہاتھ پھیر کر مرضوں کو زائل کرنا اور ہاتھ میں
خلقت ریڈیم کا خلق ہونا ناممکن سمجھا جاوے۔ یہ کون سی عقلی دلیل ہے۔

(۴) اسی فلسفہ و سائنس کے ذریعہ صد ہا اشیاء ایجاد
ہوئے اور آئندہ ہوتے رہیں گے۔ قبل ایجاد محال عقلی و ممنوع
کہے جاتے تھے۔ مثلاً ریل، جہاز، ٹیلیگرام، فونوگراف، میکرو
سکوپ، ٹیلیسکو، ایروپلین، ڈائنامٹ، تھرمامیٹر، پاور میٹر، آیر
بمب، ٹیلیفون، لاؤڈ اسپیکر، وغیرہ وغیرہ قبل ایجاد کون ان
چیزوں کا تصور بھی کر سکتا تھا۔ اور اگر ذکر آتا تو لوگ تمسخر
کرتے۔ ناممکن و محال کہتے۔ اب دن رات کے مشاہدے
سے ایک معمولی کرب سائنس کا سمجھ لیا ہے۔ لیکن انبیاء اور ائمہ
کے ایسے ہی معجزات سے انکار کر دیتے ہیں گویا علم کے ٹھیکہ دار
یہی یورپ و امریکہ والے ہیں، اور عالمان علوم الہی اتنے بھی
نہیں تھے۔

(۵) وہ خوارق عادات جو علم خواص الحروف، علم
نیرنجات، علم طلسمات، تسخیرات کو اکب، نجوم، شعبہ
جأت وغیرہ سے برابر ہوتے ہیں، لوگ ان علوم کے وجود
کے قائل ہیں، وہ ہرگز ان کے اثرات سے انکار نہیں کر
سکتے، جیسا کہ مصر کی کہانت کے اکثر واقعات معتبر
تاریخوں میں موجود ہیں ”برہما طوس“ اور ”بیداغریس“ کا
اقلیم، ”بابل میں جنگ کرنا اور، برہما طوس“ کا عمل مرغ
کے ذریعہ ”بیداغریس“ کو قتل کرنا، یا ثابت بن قرہ خزاعی
کا موثق باکنہ سے جان بچانا، شہاب الدین مقتول کے
حکایات، اگرچہ اس زمانے میں یہ واقعات بطور افسانہ
ہیں، اور ہم بھی ان فنون کی تصدیق کے لئے تیار نہیں ہیں
لیکن ان کے وجود سے انکار کرنا خود آثار طبعیہ اور علوم
فلسفیہ کو جھٹلاتا ہے جس طرح سے موجودہ علوم کو وہ لوگ
جھٹلاتے ہیں، جو ان علوم سے بے بہرہ ہیں۔ ان کے
جھٹلانے کا واقعیت پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔

(۶) مسمریزم و ہنپاٹزم جانے والوں کو کتنے خوارق
عادات پر قدرت ہو جاتی ہے۔ انسان کو معمول بنانا خبریں دور
دراز ملکوں کی منگنا، دور دراز ملکوں کے مریضوں کا علاج کرنا

، وغیرہ وغیرہ اگر یہ علوم جدیدہ دنیا سے مفقود ہو جائیں تو آئندہ نسلوں کی عدم معلومات کی وجہ سے وہ جھوٹے نہیں ہو سکتے۔

(۷) اجسام میت کا سڑگل جانا نیچر ہے، لیکن مصری می سے ہزاروں سال اجسام کا محفوظ رکھنا ناقابل انکار ہو۔ لیکن خاصان خدا کی نعشوں کی خدا حفاظت نہ کر سکے، حال ہی میں صحابی رسول خدا جناب خذیفہ، اور جناب جابر کی نعش تیرہ سو سال بعد قبر سے محفوظ برآمد ہوئی ہے اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی ہے۔ غرض اس بیان سے یہ تھی کہ یہ بتاؤ قانون فطرت اور نیچر کس جانور، کا نام ہے جو غیر متبدل ہو، اور جس کا خلاف ناممکن و محال ہو، تم نے جس کو قانون فطرت نیچر سمجھ رکھا ہے جو اکثر اور بار بار ہوتا ہے لیکن قدرت اس کے خلاف بھی کرتی رہتی ہے۔ معجزہ بھی خرق عادت کا نام ہے، مگر اس میں چند شرائط زائد ہیں جن کی وجہ سے انبیاء اور نفوس قدسیہ اور فلاسفہ میں امتیاز ہوتا ہے، پھر کون سی دلیل معجزے کے انکار کی ہو سکتی ہے، بظاہر انکار کی وجہ یہ ہے کہ محال عقلی و محال عادی میں تم کو امتیاز نہیں ہے، اور اپنی غلطی سے محال عادی کو محال عقلی سمجھتے ہو۔ درحقیقت معجزہ محال عادی سے تعلق رکھتا ہے جس کے بہت سے نظائر ہم نے بیان کر دیئے۔

(۸) یہ نہ خیال کرو کہ معجزہ خرق عادت ہے، اور غیر نبی بھی خرق عادت کرتا رہتا ہے۔ پھر معجزہ سے تصدیق نبوت کیونکر ہو سکتی ہے۔ معجزے کی تعریف سمجھنے سے یہ شبہ دور ہو جاتا ہے۔

تعریف معجزہ

معجزہ وہ خرق عادت ہے جو دعویٰ نبوت کے مطابق ہو، اس کے ساتھ تحدی ہو، یعنی دیگر مخلوق اس قسم کے خرق عادت پر قادر نہ ہو یا اس فعل کا مثل دشوار ہو، یا جس صفت سے نبی خرق عادت کرے اس صفت سے دوسرے عاجز ہوں۔ معجزے کے لغوی معنی عاجز کرنے کے ہیں، اور جب کوئی کام فطرت کے معمول کے خلاف نہ ہو، تو وہ عاجز ہو کر اس غیر مرئی قدرت کا قائل ہوتا ہے، جس کا تجربہ اس نے ہنوز نہ کیا تھا۔

تحدی کے یہ معنی ہیں کہ، اظہار قابلیت ہو اور اس کے ساتھ اپنی فوقیت اور اپنا غلبہ ظاہر کرے، اور دوسرے کو اپنے سے ناقص اور کم ثابت کرے، جیسا کہ عرب میں کہتے ہیں۔

”فلانا اذا ما رائتته ونازعت علی الغلبة“
ہم نے فلاں شخص سے جھگڑا کیا کہ جس کام کو تم کرتے ہو ہم تم سے بہتر کرتے ہیں، اور ہم کو تم پر غلبہ ہے، نبی کی اس تحدی سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت سے کہے تم میری پیروی و اتباع کرو، ورنہ جو میں خدا کی طرف سے تم کو دکھاؤں ویسا ہی تم مجھ کو کر کے دکھاؤ، مطلب یہ ہے کہ جو سند میں اپنی سچائی کی پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ ویسا ہی پیش کرے۔ اس وقت امت کا عاجز ہونا مقابلے میں دلیل نبوت ہے، اور اپنے خدا داد علم کا عملی پیرایہ میں اظہار و اعلان ہے۔ معجزے کے واسطے اور بھی تین شرطیں ہیں۔

(۱) وہ خرق عادت فعل خدا ہو یا فعل نبی بحکم خدا جو آلات و اسباب ظاہری کا محتاج نہ ہو۔

(۲) یہ خرق عادت قیامت کے پہلے ہو اس لئے کہ زمانہ قیامت میں تمام قوانین باطل ہو کر دنیا نیستی و فنا کی طرف بڑھے گی۔

(۳) وہ معجزہ نبی کی علمی فوقیت ثابت کرنے کی غرض سے ہو بغرض تصدیق دعویٰ نبوتی۔

خرق عادت کیا ہے؟ جب کوئی خاصہ طبعی یا کیمیائی مادے کے تم کو معلوم نہ ہو تم یہی کہو گے کہ یہ قانون فطرت نہیں ہے۔ یہ عادت کے خلاف ہے ”انجن ٹیلیفون، ٹیلیگرام، فونوگراف، ٹیلیسکوپ، نہ ہونے پر کیا کہتے تھے، خلاف عادت سمجھتے تھے یا نہیں۔ ایجاد ہو جانے اور قانون سمجھ میں آنے کے بعد اب کیا کہتے ہو اب خلاف عادت نہیں ہے۔ معجزہ وہ خلاف عادت ہے جو ہمیشہ خلاف عادت رہے گا۔

سائنس کتنا بھی ترقی کرے۔ ہے وہ یہی خلاف عادت جو مخفی و پوشیدہ قوتوں میں مادہ اور مادیت کے ظہور میں آتا ہے جو

خدا کی تعلیم کی بدولت ہوتا ہے، یہ کوئی معمر چیتا نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آوے اور قابل انکار ہو۔

سپنر، ہوک نیوٹن۔ اپنے علوم کو دوسروں کو تعلیم کر سکیں، لیکن خدا کی تعلیم محال ہو کون سی سمجھ داری ہے۔ دنیا کے عجائب و غرائب و موجودات میں کون سے میکا نیکی آلات کو تم دیکھتے ہو ہر شے بے امداد آلات خلق ہوئی ہے جس کو خدا نے خود فرمایا ہے ”اذا اراد الله شئيا ان يقول له كن فيكون“

کسی چیز کے پیدا ہونے میں صرف خدائی ارادہ کام کرتا ہے۔ معجزہ بھی ایک خلقت و تکوین ہے جس میں الہی ارادہ کام کرتا ہے، اس کو میکا نیکی آلات کی ضرورت کیا ہے۔ اور یہی ما بہ الاتیاز فلسفی خرق عادت ہے اور معجزہ میں ہے۔ فقط اس رابطہ الہی کی ضرورت ہے جو خالق و مخلوق (نبی) میں پیدا ہو جاتا ہے۔ فلاسفہ کے یہاں وہ رابطہ بالکل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اصول طیبہ اور اصول میکا نیکی کے محتاج ہوتے ہیں۔

تحدی کیا ہے: انبیاء بھی بشریت و انسانیت میں ظاہر بظاہر عام انسان ہوتے ہیں، نبیوں کا بھی یہی دعویٰ ہے اور خدا کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ کفار بھی ان کو عام انسان سمجھتے ہیں۔ اب ایک شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ بادشاہ اور سب اس کی رعایا ہیں۔ یا ایک حکیم یہ کہتا ہے کہ میں جو کچھ تعلیم کرتا ہوں اس کا حق رکھتا ہوں، تم سے زائد جانتا ہوں، تم سے علم میں زائد ہوں، مجھ سے تعلیم حاصل کرو۔ ایک طبیب۔ مریض کو حفظان صحت کے کچھ اصول بتاتا ہے اور مخالفت پر متنبہ کرتا ہے، اپنی صداقت و مہارت اور مریض کی جہالت ثابت کرتا ہے۔ یہی تحدی ہے جو ناگزیر ہے اور کسی کو نکتہ چینی کا حق نہیں ہے۔ اب ایک شخص مدعی ہے میں خدا کی طرف سے تمہارا حاکم ہوں، میں علوم الہیہ کا حامل ہوں، میں اصلاح نفوس سب سے زائد کر سکتا ہوں، میری پیروی کرو، میری سنو۔ میری اطاعت کرو میں طبیب نفوس ہوں۔ میں حکم حکمت الہی ہوں۔ بجز میرے دوسرا اصلاح نفوس نہیں کر سکتا بجز میرے دوسرے کو انسانوں پر حق

تصرف نہیں ہے۔ اب بتاؤ تحدی ہر پیشہ، ہر حاکم، طبیب، حکیم، پروفیسر، کے لئے تو صحیح ہو، لیکن نبی کے لئے قابل نکتہ چینی ہو۔ یہ کون سا انصاف ہے، اور نبی تحدی نہ کرے تو اس کے نبوتی دعوے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ اگر نبی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے تو بیشک اس نے تبلیغ امر حق میں کوتاہی کی۔ عام خرق عادات و معجزات میں فرق سمجھ لو۔ صورت میں دونوں یکساں، راستہ دونوں کا ایک ہے، یعنی علم ہی دونوں کا ذریعہ ہے۔ لیکن پھر بھی دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ معجزات خدائی خوارق عادات ہیں بجز نبی کوئی ان میں تحدی نہیں کر سکتا۔ علم دونوں کے جدا ہیں، اور ہر ایک کی ایک امتیازی شان ہے، فلاسفہ کے خوارق عادات کو دوسرے بھی دہرا سکتے ہیں، بخلاف نبی کے خوارق عادات کے، جو نہ کسی کو سکھائے جاسکتے ہیں۔ بجز نبی یا وصی نبی کے نہ دوسرا اپنی ذہانت و تجربے اور دیگر علوم کی مدد سے ایسا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اس کو معجزہ کہتے ہیں، اور نبی کی تحدی بھی حق بجانب ہے۔ کیوں کہ وہ علوم اسرار سربستہ اور غیب سے متعلق ہیں جس میں خدا کی مدد شامل ہے۔ جن چیزوں کا فلسفہ میں دست ورس نہیں ہے۔ نہ غیب بینی ہے۔ نہ خدا کی مدد ہے۔ نہ علم الہی کی اسمیں گنجائش ہے۔ ابتداءً عالم سے اس وقت تک اور قیامت تک جو فلسفہ کی قوت سے ایجادیں ہوئیں، ویسی ہی اور ان سے بہتر ہزاروں نے ویسی ہی بنائیں، کمپنیوں نے ان کو خرید، اور لاکھوں کی تعداد میں بنا کر انسانوں کو لوٹا، شروفساد، فتنہ و خوں ریزی، شیطنت و خود غرضیوں میں ان کا استعمال دل کھول کر کیا۔ ریل، جہاز، ٹیلیگرام، ایروپلن، زپلن، توپ، گولا، مشین گن، سمرین، تار پیڈو، وغیرہ وغیرہ ہزاروں ایجادیں ہوئیں اور برابر ہزاروں کارخانوں میں بن بن کر لاکھوں کی تعداد میں انسانی خون آشامی اور ملک گیری میں صرف ہوتی ہیں۔ معجز میں بھلا یہ کہاں، وہ خیر محض و اصلاح خلق کے سوا شرارت میں استعمال ہی نہیں ہو سکتا، بلکہ خلق و ایجاد ہی

اُس کی محال عقلی ہے، نہ خدا ظالم ہے، نہ ظلم کے لئے معجزے کی خلقت ممکن ہے، ہزاروں سال گزرے پھر بھی باوجود اس ترقی سائنس کے تاریخ پیڑ نہیں دے سکتی کہ کوئی فلسفی معجزہ کا مثل بنا سکا ہو، اور نہ قیامت تک قادر ہوگا۔ معجزہ کو سحر و کھانت کہا گیا، لیکن پھر بھی ایک ساحر و کاہن بھی اس کا مثل پیش نہ کر سکا۔ اسی طرح سے قیامت تک یہ فلاسفہ بھی اس کا مثل پیش نہ کر سکیں گے۔ مثلاً چند معجزے ہم پیش کرتے ہیں، اور عالم کے فلاسفہ کو چیلنج کرتے ہیں، ایک معجزہ کا مثل پیش کر دیں۔ (۱) آج کل حرکت پر بڑا زور دیا جا رہا ہے صد ہا ایجادیں بھی ہوئی ہیں۔ آنکھ کے نور کی تقویت اتنی کی گئی کہ دور بینوں کے ذریعہ سے آسمان و زمین کا چپہ چپہ چھان ڈالا۔ خُرد بین بنا کر ایک قطرہ آب کے کیڑے گن ڈالے، امراض کے جراثیم دیکھ لئے۔ لیکن جب ہم معجزہ کو پیش کرتے ہیں تو تم معجزے کے قتل پر تو قادر نہیں ہوتے، اور ہٹ دھرمی سے انکار کر دیتے ہو۔ ہم خود معجزہ نہیں کہ معجزہ دکھا کر تم کو شرمندہ کریں۔ بجز اس کے تاریخی ثبوت یعنی شہادتیں الہامی کتابوں کے بیانات پیش کریں، اور کیا چارہ کار ہے۔ دیکھو ہماری کتاب ”فلسفہ اسلام“ فن ہیئت گلیلی، اور ہر شئی، دور بین جن نظاروں سے عاجز رہیں، ان کو ان معجزہ نماؤں کی آنکھ نے بلا واسطہ دور بین دیکھا، اور بتایا ہے۔

الف۔ حضرت امیر مبروں پر فرماتے تھے۔

”سلوونی عمادون العرش“ عرش پر کی باتیں مجھ سے پوچھو، پوچھنے والے نہیں پوچھتے بتانے والا آمادہ بتانے پر ہے بے پوچھے جو بتا یا وہ آج تیرہ سو سال بعد تحقیق ہو رہا ہے، اور ابھی بھی بہت کچھ باقی ہے۔

ب۔ امام جعفر صادق ؑ ایک یمن کے منجم سے فرماتے ہیں۔ میں تجھ سے مدینہ کے ایک عالم سے تعارف کراتا ہوں جو ایک گھنٹے میں اتنی سیر و سیاحت کرتا ہے جتنی سورج ایک سال میں حرکت کرتا ہے وہ عالم ایسا ہے کہ بارہ ہزار عالموں کی جو تمہارے عالم (نظام شمسی) کے مانند ہیں سیر کرتا ہے، ان عالموں کے بسنے والے یہ بھی نہیں جانتے

کہ خدا نے آدم نبی یا ابلیس کو بھی خلق کیا ہے (اختصاص بہار الانوار) اللہ اللہ جس زمانے کے حکماء و فلاسفہ اپنی دنیا کی چار دیواری گھٹے بیٹھے تھے، اور جملہ عوالم کے منکر تھے، اور آج قوی دور بینوں سے یہ بتایا گیا ہے کہ ثوابت کا علیحدہ علیحدہ نظام شمسی ہے اور مثل اس نظام شمسی کے وہ بھی ذی روح سے آباد ہیں۔ یہ معجزہ نما بدون دور بین ان عوالم کی تحقیق فرماوے انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ حدیث کے بقیہ جز پر بھی ایمان لاؤ، اور اقرار کرو کہ تمہارا قانون حرکت امام کے قانون حرکت کے مقابلے میں بیچ ہے۔

ج۔ ایک منجم خدمت امام زین العابدینؑ میں حاضر ہوتا ہے آپ نے فرمایا میں تجھ کو ایسے عالم سے تعارف کراؤں جس نے اتنی دیر میں جو تجھ کو میرے پاس آئے ہوئے گزری، چودہ عالموں میں ہو آیا ہو جو عوالم میں اس تمہاری زمین سے تین حصہ بڑی ہیں، حالانکہ وہ عالم اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہیں ہے، وہ عالم میں ہوں اے منجم اگر کہہ تو بتا دوں تو نے کیا کھایا ہے، اور تیرے گھر میں کیا رکھا ہے۔

(بشار الدرجات، شرح صحیفہ کاملہ)

(۲) صدائے حرکت میں فلاسفہ نے اتنی ترقی کی کہ ٹیلیگرام، ٹیلیفون، لاسکی، براڈ کاسٹنگ ایجاد ہو گئے، اور یہ بھی ممکن ہے آئندہ اس سے زائد بھی ترقی ہو۔ لیکن کہاں معجزہ شان ہی کچھ اور ہے۔

الف حضرت ابراہیم خانہ کعبہ بنا کر عام دعوت دیتے ہیں۔ آؤ حج کے لئے (ہلمو الی الحج) روحوں تک نے اس ندا کو سنا اور صحن عالم میں وہ آواز اس طرح سے گونجی کہ قیامت تک کی نسلیں جو اس وقت صلب آباء اور ارحام امہات میں تھیں سب نے سنا۔

ب امام عصر عجل اللہ فرجہ کے ظہور کی خبر اس طرح سے اصلا ب آباء و ارحام امہات کے ارواح تک سنے گی۔
ج۔ سلمان کی آواز کو ہوا منزلوں پہونچا دیتی تھی۔

(۳) جسمانی حرکت کی ترقی تم نے ریل ، جہاز ، غبارہ ، ہوائی مشینوں سے کی۔ لیکن جب ہم اس نبوتی حرکتوں کا ذکر کرتے ہیں تو فلاسفہ کی عقلیں دنگ ہو جاتی ہیں۔

الف۔ حضرت سلیمان مع حشم و خدم بساط پر بیٹھ کر صبح صادق سے طلوع آفتاب تک جو تخمیناً چھپانوے منٹ سے زائد نہ ہوگا، بنا بر ہمارے عرض بلد کے تیس منزل یا پنسٹھ سو میل سفر کرتے یعنی فی گھنٹہ چار سو میل کی رفتار سے۔

ب۔ حضرت رسولؐ کی معراج کا قصہ تو تمہاری عقلوں سے باہر ہے۔ نور و حرارت شمس کی رفتار سے بھی زائد تیز اس نور برحق کی رفتار تھی (عقلی ثبوت ان معجزات کا ہماری دوسری کتابوں میں پڑھو) کیا ان معجزات کا مثل کسی فلسفہ سے ممکن ہے، اور کیا معجزہ اور عام خوارق عادات میں کبھی مشابہت ہو کر اشتباہ اور دھوکہ ہو سکتا ہے۔

(۸)

علم انبیاء وائمہ کی عمومیت

کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ انبیاء و مرسلین وائمہ طاہرینؑ بجز معجز نمائی علوم سے بے خبر تھے، معجزہ تو بعد کی چیز ہے سب سے پہلے یہ حضرات اپنی علمی منزلت و ہمہ دانی کو قوم کے سامنے پیش کرتے تھے، اور علمی کارناموں کو پیش کرتے تھے۔ بعد میں معجزہ کی نوبت آتی تھی اور دونوں میں یہی فرق تھا کہ علمی نشانیوں میں آلات و مادیات سے کام لیتے تھے لیکن بھلا ہو علماء کا جنھوں نے علمی عملیات کو بھی معجزات میں ٹھونس دیا، اور منزلت علمی کو ان حضرات کی ضائع کر دیا، ورنہ یہ تو وہ ہستیاں تھیں کہ ایک منکر معجزہ بھی ان کے علمی کارناموں کے آگے سر بسجود ہوتا، ان حضرات کے علمی کارنامے علیؑ کے خطبوں، کلمات و دیوان و احادیث و اوراد و وظائف میں دیکھو، اسی طرح سے اورائمہ کے علوم کو ان کی دعاؤں، خطبوں حدیثوں میں پڑھو، چند علمی کارنامے بطور مثال سنو۔

(۱) حضرت سلیمان اور حضرت امیر کا بساط کو ذریعہ سفر بنانا یہ ہوائی مشین جس کو معجزہ سمجھ کر اس وقت کسی نے نہ پوچھا حالانکہ مادی اور آلہ کی وساطت سے تھا،

(۲) علم منطق الطیر جو معجزہ ہی سمجھا گیا۔

(۳) حضرت موسیٰ کا قارون کو علم کیمیا تعلیم کرنا۔

(۴) سامری کا اس نشان علمی سے جو رسولؐ لایا تھا سیکھ کر گوسالہ بنادینا جو بولتا ہوا بطور ”فونوگراف“ ”یا“ ”گراموفون“ کے تھا جس کو قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔

(فقہ صحت قبضۃ من اثر الرسول)

(۵) امام حسینؑ کا کر بلا پہنچ کر جیب سے مٹی نکال کر کر بلا کی مٹی سے ملانا اور اپنی شہادت کی خبر دینا۔

(۶) امیر المومنین کا ایک نابینا کو دھوپ میں کھڑا کر کے روئی بھگو کر حلقہ چشم پر رکھنا، پھر آتش شیشے کا فوکس آنکھ پر ڈالنا اور بینا کر دینا۔

(۷) انبیاء و اورائمہ کے معالجات و خواص ادویہ بنانا، (۸) جناب امیرؑ کا کوفہ میں اس عورت کو جس کے خاندان والے حاملہ سمجھ کر قتل کرنے کو تھے، اور وہ باکرہ تھی، برف کے ٹکڑے سے اندام نہانی میں رکھ کر جوک کا رحم سے نکالنا۔ (۹) ایک زن فاحشہ کا ایک عابد پر تہمت زنا لگا کر سفیدی بیضہ مرغ زیر جامہ پر ڈالنا اور امیر المومنینؑ کا اس کپڑے پر گرم پانی ڈال کر یہ بتانا کہ سفیدی بیضہ مرغ گرم پانی سے تحلیل و تنخیر نہیں ہو سکتی۔ (۱۰) قانون ارشیدس کا بتانا اس غلام کے لئے جس کے پیر میں اس کے مالک نے بیڑی بغیر وزن ڈال دی تھی اور نذر کی تھی کہ حاجت پوری ہونے پر پہلے وہ سونا اس کے ہم وزن خیرات کرے گا پھر بیڑی اتارے گا۔ امیر المومنینؑ نے کانسہ آب میں پیر مع بیڑی ڈالا، پانی بلند ہوا کانسہ پر نشان ڈالا۔ جہاں تک پانی بلند ہوا تھا پھر بیڑی ہاتھ سے تھام کر خالی پیر ڈالا۔ اور پانی پہلے نشان سے جتنا گھٹا دوسرا نشان کیا، لوہے کا براد اڈالا

یہاں تک کے اول خط تک پانی پہنچا، اس برادے سے سونا وزن کر کے خیرات کیا۔ اگر بجائے برادہ آہن پتھر کنکر ڈالتے تب بھی یہی عمل ہوتا لیکن وزن ہر مادی شے کا عائدہ ہے اس لئے برادہ آہن تجویز فرما کر وزن نوعی سمجھایا۔ وغیرہ وغیرہ یہ معجزات نہیں ہیں صرف کمالات علمیہ ہیں۔

(۹)

معجزے سے انکار اس بنا پر بھی کیا جاتا ہے کہ رسولؐ خدا نے کسی کو معجزہ نہیں دکھایا، قرآن مجید سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ جب کفار نے آنحضرتؐ سے معجزہ طلب کیا کہ زمین سے چشمہ جاری کریں، یا ہم پر آسمان کے ٹکرے گراویں، یا آسمان پر چڑھ جاویں وغیرہ وغیرہ تو ان کے جواب میں آپؐ نے صرف یہی فرمایا کہ ”میں بندہ فرستادہ خدا ہوں اور کوئی معجزہ نہ دکھایا۔ جس قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل امام حسن عسکری علیہ السلام سے احتجاج طبری میں مروی ہے۔ اس طرح سے کہ حضرت رسولؐ خدا اور ابو جہل و کفار قریش سے جھگڑا ہوا تھا، اور عبد اللہ بن امیہ مخزومی نے رسولؐ سے اس طرح سے بحث کی تھی جس کا جواب رسولؐ خدا نے اس طرح سے دیا تھا جو خوارق عادات ہم سے تو طلب کر رہا ہے ان میں بعض ایسے ہیں جو دلیل نبوت نہیں ہو سکتے، لہذا ان کا دکھانا لازم ہی نہ تھا درحقیقت اس کو امتیاز ہی نہ تھا کہ کس قسم کے خوارق عادات دلیل نبوت ہو سکتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے۔

(۱) نہریں جاری کرنے کی خواہش۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر گجاز میں نہریں اور چشمے میں جاری کر دوں، جیسے عبد اللہ نے طائف میں باغ لگائے اور اس کو آباد کر دیا تو بتا تو یا تیرے امثال کیا اس وجہ سے نبی بن گئے۔ عبد اللہ نے انکار کیا۔ پھر رسولؐ نے فرمایا کہ تو ہی بتا اگر میں ایسا کر دوں تو یہ کب دلیل نبوت ہوگی۔ درحقیقت یہ خرق عادت و معجزہ نہ تھا اس لئے مال و دولت دلیل نبوت نہیں ہے۔ ہزاروں

سلاطین نے شہر اور ملک آباد کئے۔ نہریں جاری کیں، پھر کیا وہ خرق عادت ہیں۔ اسی مقام پر یہ بھی سمجھ لو کہ انبیاء و ائمہ کا میکا نیکی آلات اور ایجادیں بھی نہیں کیں، اس لئے کہ وہ دلیل نبوت اور خرق عادت نہیں تھیں۔ نہ اس وجہ سے نبوتیں ثابت ہو سکتی تھیں، گذشتہ و آئندہ زمانے کے موجدین نبی نہیں بن گئے۔ پھر منکرین معجزہ کا یہ مطالبہ ویسا ہی ہے جیسے عبد اللہ کا۔

(۲) آسمانی ٹکڑے گرانے میں عبد اللہ اپنی ہلاکت کا طالب ہے۔ نبی پہلے حجت و دلیل فرماتے ہیں۔ طالب ہلاکت کو ایسے معجزہ سے فائدہ ہی کیا ہوگا، جو ہلاک ہو جاوے، اور نبی کو بھی کوئی فائدہ نہیں، ہلاکت کے بعد قصہ ہی ختم ہے، اور ہدایت کا فائدہ مفقود ہے۔ معجزہ ہمیشہ اصلاح حال کے واسطے ہوتا ہے نہ تشدد و ہلاکت کے لئے، آیات عذاب اور معجزہ میں یہی فرق ہے۔ خدا نے قوموں پر عذاب نازل فرمائے۔ انبیاء نے بھی بد دعا کی اور امتیں عذاب میں مبتلا ہوئیں، ان کو معجزے سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ آیات الہیہ آیات عذاب تھے۔ معجزے میں اصلاح قوم ہوتی ہے ایمان لانے کے لئے موقع دیا جاتا ہے، سخت دلی کی اصلاح ہوتی ہے۔ لہذا عبد اللہ جس چیز کو معجزہ سمجھ رہا تھا وہ معجزہ نہ تھا، اس لئے رسولؐ خدا نے انکار فرمایا۔

(۳) یہ احمق خدا کو ملائکہ کے ساتھ بلارہا تھا، یہ سوال ہی غلط تھا۔ حرکت و سکون محل و مکان اجسام کو عارض ہوتے ہیں، خدا ایسی چیزوں سے منزہ و مبرا ہے۔ سوال ممتنع و محال سے تھا۔ معجزہ ممتنع و محال سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔

(۴) سونے کا گھر بنانے کی خواہش۔ رسولؐ نے پوچھا کہ کیا شاہ فرعون مصر کا نبی تھا۔ عبد اللہ نے انکار کیا۔ فرمایا پھر اگر میں ایسا کروں گا تو کیا نبی ہو جاؤں گا، مال و دولت و ثروت کو نبوت سے کیا لگاؤ ہے۔ دولت مند تو خدا بن بیٹھے۔ پھر کیا وہ خدا ہو گئے؟ نبوت بھی دولت مندی سے نہیں مل سکتی لہذا معجزے اس سے بھی بے تعلق ہیں۔

(۵) عبد اللہ کے نام خدائی خط آتا رسولؐ نے فرمایا تو

کہتا ہے کہ خط آنے پر بھی ہم کو اختیار ہے چاہے ایمان لاویں، یا نہ لاویں یہ کھلی عداوت ہے۔ پھر ہم کو کیا پڑی ہے جو معجزہ دکھادیں اے عبداللہ تیرے سوالوں کے مسکت جواب ہو گئے، اور خدا نے تجھ پر رحمت تمام کر دی۔ ابو جہل نے کہا ابھی ہمارا ایک سوال باقی ہے امت موسیٰ نے خدائی دیدار کی خواہش کی ان پر بجلی گری ہم نے تم سے خدا کو بلانے کا مطالبہ کیا۔ اگر تم نبی ہو تو موسیٰ کی طرح ہم کو تم بھی جلا دو یہ سن کر رسول خدا نے خدا کی رحیمی و کریمی قصہ حضرت ابراہیم بیان فرما کر ظاہر کی۔ پھر فرمایا اے ابو جہل تم پر ضرور عذاب نازل ہوتا لیکن تیرے صلب میں تیرا بیٹا عکرمہ ہے، اوروں کے صلب میں بھی ایسی اولادیں ہیں جو مجھ پر ایمان لاویں گی، بعض تم میں کہ خود مجھ پر ایمان لاؤ گے، لہذا ان صالحوں کی وجہ سے عذاب نہیں نازل ہوتا باوجود یہ فرمانے کہ پھر بھی رسول نے دو معجزہ دکھائے ایک عکرمہ وغیرہ کی پیدائش کی پیشینگوئی اور اس گروہ میں سے بعض کا بعد میں ایمان لے آنا۔ دوسرے۔ رسول خدا نے ابو جہل سے فرمایا، سر اٹھا کر دیکھ، جب اوپر کو نظر کی تو دیکھا آسمان سے شعلے اتر رہے ہیں، اور اس قدر قریب ہو گئے کہ گرمی شانوں میں محسوس ہونے لگی۔ خوف و وحشت سے سب جسم کا پھٹنے لگے۔ رسول نے فرمایا خوف نہ کرو ان سے ہلاک نہ کئے جاؤ گے۔ تمہاری عبرت کے لئے ہے، پھر ان لوگوں نے اپنی پشت سے کچھ انوار نکلتے دیکھے جنہوں نے شرار ہائے آتشیں کا مقابلہ کر کے ہٹا دیا اور وہ شعلے آسمان کی طرف پلٹ گئے۔ اس وقت رسول نے فرمایا یہ وہ نور ہیں جو مجھ پر ایمان لائیں گے، خود تم میں سے یا تمہاری اولاد میں سے۔“

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ دلیل اس کی نہیں ہے کہ نبی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔ ایک خاص موقع پر انکار فرمانا ان خاص وجہ سے جو مذکور ہوئے عام معجزے کا انکار کب

ہو سکتا ہے، خوب سمجھ لو معجزہ اس وقت دکھایا جاتا ہے جب نبی ہر قسم کی بحث و گفتگو کر کے سمجھا لیتا ہے، اور منکر معجزہ مانگتا ہے تو اس کے غور و فکر کے لئے معجزہ بھی دکھایا جاتا ہے۔

(۱۰) قرآن مجید سے معجزے کے خلاف پر دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے سورہ بنی اسرائیل میں ہے
وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ“ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۹) ہم کو بعض نہیں رکھنا نشانی بھیجنے سے۔ مگر اس بات نے کہ اگلے اسے جھٹلا چکے تھے۔“

الآیات“ کا لفظ محلے بلام ہے جو عموم پر دلیل ہے۔ یعنی کوئی معجزہ رسول کو نہیں دیا گیا، بہت سی وجہوں سے استدلال غلط ہے۔
(۱) ”ما منعنا“ کی ہیئت گزرے زمانے پر دلالت کرتی ہے نہ ہر زمانے پر جس زمانے سے بھی اس کا تعلق ہوگا آیات نہ بھیجے گئے ہوں گے۔

(۲) لفظ ”الآیات“ میں الف لام اشتراک اور جنس کا نہیں ہے لہذا آیت مجمل ہوئی جو دلیل نہیں بن سکتی۔
(۳) ”اولون“ بھی مجمل ہے۔ سابق منکرین ہنسی اڑا چکے ہیں بعد والے بھی تمسخر پر آمادہ ہیں۔ لہذا خاص وہی معجزے نہیں دیئے گئے علاوہ ان کے دیئے گئے۔
(۴) آیات عام ہے معجزہ وغیرہ معجزہ سے لہذا مجمل ہے جو دلیل نہیں ہو سکتی۔

(۵) معجزہ نہ دینے کا سبب اگلوں کا جھٹلانا ہے۔ ان معجزوں کو نہیں دیا نئے معجزے دئے گئے مثل شق القمر، معراج، قرآن کے۔

(۶) اس آیت کے معارض وہ آیات قرآنی ہیں، جو رسول کے معجز نما ہونے کو صاف صاف بتاتی ہیں، لہذا اس آیت میں تاویل ہوگی۔

(۷) اس آیت کی بالائی آیت میں عذاب کا ذکر ہے۔ ”وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ

الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا“ (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵۸) اس قرینے سے اس آیت میں بھی عذاب کی نشانیاں مراد ہوں گی، اور نفی انہیں آیات عذاب کی ہوگی۔

(۸) سابق آیات میں قصہ شمود مذکور ہے۔

”وَأَتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا“ (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵۹) جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آریز بحث بھی آیت عذاب سے متعلق ہے، اور بے شک ہمارے نبی کی امت پر عذاب کی آیت نہیں آئی، جیسے اور امتوں پر مثل مسخ و عذاب قوم شمود کے۔

(۹) دوسری آیت ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵۹)

کوئی نشانی نہیں بھیجی جاتی مگر خوف دلانے کے لئے۔ اس آیت میں تخویفی، تعزیری، اور عذاب کی آیتوں کا ذکر ہے۔ امت رسول عذاب کی نشانوں سے محفوظ ہے اور زیر نظر آیت کا بھی یہی مقصد ہے معجزہ مراد نہیں ہے۔

(۱۰) تفاسیر اہل بیت بھی اسی پر شاہد ہیں کہ تعلق اس آیت کا ان معجزات سے ہے جو مستلزم عذاب ہوں مثل مسخ کے۔ (۱۱) متی باب ۱۶ میں ہے کہ فریسیوں صدوقیوں کے طلب کردہ معجزے حضرت عیسیٰ نے بھی نہیں دکھائے۔ (۱۲) متی باب ۴ میں ہے ”خدا کو آزمانا چاہئے“ وہ معجزے جو بطور آزمائش و امتحان مانگے جاتے ہیں ان سے انکار ہے۔ بعض اوقات معجزہ دکھانے سے اس لئے بھی انکار کیا جاتا ہے کہ جو دلائل و بینات پیش کئے جا چکے ہیں وہی اثبات حقیقت کے لئے کافی ہیں۔ معجزات کی تکذیب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کفار کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاوے، جبکہ وہ ایمان لانے پر تیار ہی نہیں ہیں تو معجزہ دکھانا عبث و فضول ہے۔ جیسا کہ متعدد مقامات پر خدا

نے اس کو بھی بیان کیا ہے۔

الف۔ اگر تمام نشانیاں بھی ان کو دکھا دی جاویں تب بھی یہ ایمان نہ لاویں گے۔ (سورہ انعام)

ب۔ قریب ہے کہ وہ لوگ جو زمین پر تکبر کرتے ہیں بغیر حق

میری کل نشانوں سے منہ پھیر لیں۔ (سورہ اعراف)

ج، اور ہم تو نشانیاں ان لوگوں پر بھیجتے ہیں جو ایمان و یقین لانے والے ہیں (سورہ بقرہ) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا نے عام معجزات سے انکار کیا ہے، اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید عام و خاص معجزات کا ذکر نہ کرتا جیسا کہ مفصل ہم نے انبیاء کے ذکر میں قرآنی آیات کو سب سے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

(جاری)-----



بقیہ صفحہ نمبر ۲۱-----

”ہم آپ سے جدا نہیں ہوں گے، بلکہ اپنی جان آپ پر فدا کریں گے، اپنے سینہ، سر، بازو، تمام اعضاء و جوارح کو آپ کی سپر بنائیں گے۔ بے شک جب ہم مرجائیں تو پھر سمجھیں گے کہ ہم نے وفاداری سے کام لیا۔ اور جو ہمارا فرض تھا اس کو ادا کر دیا۔“

جمع منتشر ہو گیا۔ ہر ایک ساتھی کے دل میں کسی قسم کے خوف و دہشت، ہراس کے بجائے وہ قوت، وہ مسرت تھی کہ دنیا کے تمام مشکلات بچ نظر آرہے تھے، اور صرف جان زہرا پر اپنی جان نثار کر دینے کی مسکرتھی۔ حضرت نے انہیں حکم دیا کہ خیمے پاس پاس لگالیں، اور طنائیں خیموں کی باہم ایک دوسرے میں ملا دیں، اور پشت خیمہ پر ایک خندق کھود کر اس میں خشک لکڑیاں اور جنگل کی گھانسیں پات جمع کر دیں، تاکہ کل جب دشمن کا مقابلہ ہو تو اس خندق میں آگ روشن کر دی جائے۔ مطلب یہ تھا کہ دشمن کا مقابلہ صرف ایک طرف سے کیا جاسکے اور انہیں دوسری جانب سے حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔

لفظوں کی ہجرت

مولوی سید قائم مہدی نقوی ساحرا جتہادی کراچی، پاکستان

مدتوں پہلے ہجرت کر کے اس علاقے میں آباد ہو جانے والے کون لوگ اور ہمیشہ سے یہاں رہنے والے کون ہیں۔ مقامی اثرات کو قبول کرنے میں ارد گرد کے ماحول اور مقامی لوگوں سے قرائتیں اور معاشرے کے عمومی اقدار کے علاوہ کچھ قدرتی عوامل بھی شامل ہوتے ہیں، مثلاً موسم اور آب و ہوا وغیرہ کا اثر لب و لہجہ پر خاص طور سے پڑتا ہے۔

اس طرح جب کوئی لفظ ایک زبان سے ہجرت کر کے دوسری زبان میں آباد ہو جاتی ہے تو اس میں بھی کئی طرح کی تبدیلیاں آ جاتی ہیں، مثلاً

۱- اس کا تلفظ بدل جاتا ہے۔

۲- کبھی کبھی اس کے معنی و مفہوم اور محل استعمال بدل جاتا ہے۔

۳- کبھی کبھی اس کا املا بھی بدل جاتا ہے۔

اس کا سبب اور اس کی مثالیں بعد میں آئیں گی۔ پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جب ہم زبان کی بات کرتے ہیں تو اس سے کس گروہ، کس طبقہ یا کن افراد کی زبان مراد ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک معاشرے میں مختلف طبقوں کے لوگ آباد ہوتے ہیں جن کا لب و لہجہ، لفظیات اور تلفظ وغیرہ ایک ہی زبان بولنے کے باوجود مختلف ہوتا ہے۔ لہذا قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لفظ کسی دوسری زبان سے ہجرت کر کے آتی ہے وہ کس طبقہ کے تلفظ اور محل استعمال کے مطابق معیاری سمجھی جائے گی۔

دنیا کی بیشتر زبانیں عموماً اور اردو خصوصاً تین طبقوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ایک طبقہ علمائے دین کا ہے، ایک شرفاء یا خواص کا اور ایک طبقہ عوام کا ہے۔

جی ہاں لفظ بھی ہجرت کرتے ہیں۔ جس طرح سیاسی، معاشی یا سماجی عوامل سے مجبور ہو کر انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کر جاتے ہیں اور موسمی حالات، غذا کی کمی اور دوسرے اسباب کی بناء پر جانور بھی خصوصاً پرندے اپنے مقام سے ہجرت کر کے دوسرے علاقوں میں چلے جاتے ہیں اسی طرح لفظ بھی ایک زبان سے دوسری زبان تک ہجرت کر جاتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ لفظوں کی ہجرت کسی مجبوری کی بناء پر نہیں ہوتی۔ یہ تو محبت کی علامت اور چاہت کا پیغام ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان یا حیوان ہجرت کرتے ہیں تو اپنے اصل مقام سے ان کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور جہاں ہجرت کر کے جاتے ہیں وہاں نئی بستیاں آباد ہو جاتی ہیں اس لئے کہ ان کا وجود مادی ہے اور مادہ ایک وقت میں ایک ہی مقام پر پایا جاسکتا ہے بیک وقت دو یا دو سے زائد مقامات پر وہ موجود نہیں ہو سکتا۔ لیکن لفظ جب ایک زبان سے دوسری زبان تک ہجرت کرتے ہیں تو وہ اپنے اصل مقام پر بھی اپنا وجود برقرار رکھتے ہیں اور جہاں ہجرت کر کے جاتے ہیں وہاں بھی موجود ہوتے ہیں۔

انسان ایک علاقہ سے ہجرت کر کے دوسرے علاقہ میں آباد ہو جاتے ہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان پر مقامی رنگ چڑھتا جاتا ہے اور وہ زندگی کے ہر شعبہ میں مقامی اثرات کو غیر ارادی طور پر قبول کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان کی معاشرت، ان کی زبان، رہن سہن، کھانا پینا، رسم و رواج، میلے ٹھیلے، شادی بیاہ، لباس، تہوار غرضیکہ ہر چیز میں تدریجی طور پر تبدیلی آتی رہتی ہے حتیٰ کہ سو دو سو سال گزر جانے کے بعد مقامی اور غیر مقامی کی کوئی تفریق باقی نہیں رہتی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ

علمائے دین کچھ اپنے علمی مرتبہ اور عربی دانی کے تقاضوں کے پیش نظر اور کچھ فقہی و شرعی مسائل کے بیان میں اصطلاحات علمیہ کے لازمی استعمال کی وجہ سے اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بھی زیادہ سے زیادہ عربی الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے زبان ثقیل اور بوجھل ہو جاتی ہے اور عام آدمی کی فہم سے بالاتر ہوتی ہے۔ اس لئے اردو کے حوالے سے علمائے دین کی زبان کو معیاری اور مستند نہیں سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرات اردو میں رائج عربی لفظوں کو بھی عربی تلفظ کے ساتھ بولتے ہیں اور اسی طرح بولنے پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تلفظ بدل جانے سے عربی الفاظ کے معنی بدل جاتے ہیں۔ عربی زبان کی حد تک ان کا یہ مدعا بالکل درست ہے لیکن اردو میں کسی عربی لفظ کے کھپ جانے کے بعد اس اصول کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا ہے۔ بہر حال علمائے دین کی عربی دانی مسلم، مگر اردو زبان معیاری اور مستند نہیں سمجھی جاتی۔

عوام کا طبقہ تعلیم کی کمی کی بنیاد پر بیشتر الفاظ کو صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتا، نہ اس کا 'ش'، 'ق' درست ہوتا ہے، نہ وہ لفظوں کے صحیح محل صرف سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس کا لب و لہجہ دہقانی یا قصباتی ہوتا ہے اور اس کی زبان، زبان سے کم اور بولیوں سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ چنانچہ عوام کی زبان کو بھی معیاری اور مستند نہیں سمجھا جاتا۔

شرفاء کی زبان جسے آپ خواص کی زبان بھی کہہ سکتے ہیں شعروادب کی زبان ہوتی ہے۔ مختلف ادوار میں تجربات کی آگ میں تپ تپ کر سونے سے کندن بنتی ہوئی اور اصطلاحات کی مشاطی سے نوک پلک کی درستی کے ساتھ بنتی سنورتی اور نکھرتی ہوئی یہ ہر دور میں شرفاء اور خواص کے نطق و بیان کی زینت بنتی ہے۔ اس کا حسن محبوبانہ اور اس کا نکھار شاعرانہ ہوتا ہے۔ اس کی لطافت حسن ادا کا سنگار اور اس کا لوچ لب و لہجہ کی بہار ہوتا ہے۔ اس کا تہذیبی عروج معاشرے کے تہذیبی اقدار کا آئینہ ہوتا ہے۔ یہی زبان معیاری اور مستند سمجھی جاتی ہے اور اس کو کسالی زبان کہتے ہیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ زبان کے لئے کوئی معیار کیوں ضروری ہے؟ یہ یوں تو ایک اہم سوال ہے مگر شاید عام آدمی کی سوچ کے لحاظ سے اتنا اہم نہ ہو۔ بعض پڑھے لکھے حضرات بھی خصوصاً وہ جن کا تعلق زبان کے کسی مرکز سے نہیں ہے اس قسم کی بحث کو فضول سمجھتے ہیں۔ میرے ایک بہت ہی محترم اور عزیز دوست اور کرم فرما جو نہایت اعلیٰ ادبی ذوق رکھتے ہیں ایک بار اس بات پر سخت ناراض ہو گئے کہ انہوں نے 'سائنس' کو مذکر بولا تو میں نے یہ کیوں کہا کہ حیرت ہے آپ بھی سائنس کو مذکر بولتے ہیں۔ یہ حیرت کا اظہار اس سبب سے تھا کہ ان کا تعلق اعظم گڑھ یوپی سے ہے اور ان کی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی زندگی کا وہ حصہ جو حصول علم کا خاص زمانہ ہوتا ہے لکھنؤ کی علمی اور ادبی فضا میں گزارا۔ اہل لکھنؤ سائنس کو مذکر نہیں، مؤنث بولتے ہیں۔ بہر حال میرے اس بے تکلفانہ بلکہ گستاخانہ اظہار حیرت پر وہ سخت برہم ہو گئے اور انتہائی ناراضگی کے ساتھ کہا کہ آپ لوگ زبردستی یہ چاہتے ہیں کہ جیسے آپ بولیں، دوسرے بھی ویسے ہی بولیں اور نہیں تو آپ ان کا مذاق اڑائیں۔ ان کا یہ ردِ عمل میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ مذاق اڑانے کا کوئی شائبہ بھی میری بات میں نہ تھا۔ میں ان کے ساتھ یہ جسارت کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ میرے مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں پھر بھی اس ردِ عمل کا اظہار کیا اور گفتگو تکلیف دہ ہو گئی۔ ان کا یہ ردِ عمل آج تک میرے لئے ناقابلِ فہم ہے۔ یہ عرض کرتا چلوں کہ کسی اہل زبان کے سامنے غلط زبان بولنے پر مذاق اڑایا جانا کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔ آپ کسی انگریز کے سامنے غلط انگریزی بولنے تو دیکھئے گا کہ کس طرح آپ کا مذاق اڑاتا ہے۔ اسی طرح کسی ایرانی کے سامنے فارسی، کسی جرمن کے سامنے جرمن، کسی عرب کے سامنے عربی بول کر دیکھئے غلطی پر کس طرح تمسخر کرتے ہیں۔ بہر حال گفتگو یہ تھی کہ کسی زبان کے لئے کوئی معیار کیوں ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں ابتداً تو ایک بات یہ عرض کروں گا کہ منطقی دلیلیں ایک طرف اور تاریخ لسانیات کی گواہی ایک طرف۔ ہر

پڑھا لکھا شخص اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ عملاً اردو کا معیار دہلی اور لکھنؤ کی زبان قرار پائی اور سوڈیڑھ سو سال کا عرصہ ہو گیا کہ انہیں دو مراکز کی زبان معیاری اور مستند تسلیم کی جاتی رہی ہے۔ برصغیر کے تمام اردو داں حضرات خصوصاً شعراء و ادباء نے انہیں دو میں سے کسی ایک مرکز کی پیروی کی ہے۔ تمام مستند لغت نویسوں نے الفاظ کے معنی، مفہیم اور محل استعمال کی سند میں انہیں دو مراکز کے مستند و معتبر شعراء کے کلام سے مثالیں پیش کی ہیں اور انہیں سے لفظ کے تلفظ تذکیر و تانیث اور معانی و محل استعمال پر دلیل قائم کی ہیں۔ اگر زبان کے لئے کوئی معیار ضروری نہیں تھا تو ایسا کیوں ہوا؟ اردو کے علاوہ بھی دنیا کی کسی زبان کو دیکھ لیجئے تقریباً ہر ایک میں کسی نہ کسی علاقے کی زبان کو معیار تسلیم کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ ہر چیز کے لئے چاہے وہ ملک ہو یا قوم، کوئی انجمن ہو یا ادارہ، ایک مرکز ضروری ہوتا ہے اور مرکز کے ساتھ وابستگی بھی ضروری ہوتی ہے۔ مرکز سے ہٹ کر کوئی بھی اپنا وجود ایک اکائی کی حیثیت سے برقرار نہیں رکھ سکتا۔ مرکز سے تعلق توڑنے کے بعد انتشار، طوائف الملوکی اور عدم تحفظ کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر زبان کا کوئی معیار نہ ہو تو ہر شخص اپنی اپنی بولی بولے گا۔ کوئی قاعدہ قانون، کوئی اصول باقی نہیں رہے گا۔ زبان کی علمی اور ادبی حیثیت ختم ہو جائے گی اور وہ پھر سے پراکرتوں کے عہد میں لوٹ جائے گی۔ شاعری کا سرمایہ الفاظ ہیں۔ الفاظ کا معنوی حسن ان کا آہنگ، ان کا محل استعمال یہی شاعری کی جان ہیں۔ آتش کے اس خیال سے تو اختلاف کیا گیا ہے اور اسے ہدف طنز و تنقید بنایا گیا ہے کہ

بندش الفاظ، جڑنے سے نگوں کے کم نہیں

شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

مگر کیا کیا جائے کہ خدائے سخن میر انیس نے بھی اس بات کو اس طرح سے کہا ہے کہ

نظم ہے یا گوہر شہوار کی لڑیاں انیس
جوہری بھی اس طرح موتی پر و سکتا نہیں
یہ کہہ کر آتش نے شاعری میں فکر کی اہمیت کی نفی کی تھی نہ
انیس نے۔ جو حضرات ایسا نہیں سمجھتے وہ یقیناً غلط سمجھتے ہیں۔ مگر
یہاں اس موضوع سے بحث نہیں ہے۔ البتہ دونوں نے شاعری
میں لفظ کی اہمیت کو بھرپور طریقہ سے واضح کیا ہے اس لیے کہ فکر
کے ابلاغ کا ذریعہ الفاظ ہی ہیں۔ اچھی سے اچھی فکر کو بے محل
، نامناسب، نامانوس اور بھونڈے لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ
قابل توجہ نہیں ہو سکتی۔ مگر معمولی فکر کو بھی خوبصورت لفظوں کا جامہ
پہنا دیا جائے تو وہ جاذب توجہ ہو جاتی ہے اور ایک معمولی یا عام
فکر کا شعر ایک خوبصورت شعر بن جاتا ہے۔ ایک لفظ کا محل
استعمال چونکا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی لیے یہ بھی کہا
جاتا ہے کہ شاعری تو ہوتی ہی ایک لفظ کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ
اگر زبان کا کوئی معیار نہ ہو تو لفظوں کا حسن، ان کی معنویت، ان کا
آہنگ، ان کا محل استعمال، ان سب کا تعین کیسے ہوگا؟

زبان کے معیار کی ضرورت پر محقق یگانہ جناب محترم مولانا
سید محمد باقر صاحب شمس مدظلہ نے اپنی کتاب ”لکھنؤ کی زبان
“میں بحث کی ہے جو نہایت اہم ہے اور اس کا مطالعہ اس
موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بہت مفید ہوگا۔

زبان کے مرکز اور معیار کے متعلق یہ گفتگو میرے موضوع
سے غیر متعلق نہیں اس لئے کہ بات یہ ہو رہی تھی کہ مرکز میں بھی
زبان کے تین طبقے ہوتے ہیں یعنی علماء، عوام اور خواص کی
زبانیں اور ان میں سے کس طبقہ کی زبان کو معیاری سمجھا
جاسکتا ہے۔ اس کے بغیر یہ طے نہیں کیا جاسکتا کہ دوسری زبانوں
سے ہجرت کر کے اردو کی مملکت میں آباد ہونے والے لفظوں کے
کس تلفظ کو صحیح، معیاری اور فصیح سمجھنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں یہ
بات بھی قابل توجہ ہے کہ کسی لفظ کے تلفظ کا صحیح یا غلط ہونا الگ
بات ہے اور فصیح یا غیر فصیح ہونا الگ۔ عربی، فارسی کی بہتری
لفظیں ایسی ہیں جن کو ان کے اصل تلفظ کے مطابق صحیح صحیح

ادا کیجئے تو اردو میں وہ غیر فصیح سمجھی جائیں گی۔ ان کی فصاحت اس تلفظ میں ہے جو زبانوں پر چڑھا ہوا ہو۔ اسی لئے ”غلط العوام فصیح“ کا مقولہ بھی رائج ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور بہت اہم بات عرض کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ اردو بذاتِ خود ایک مستقل زبان ہے جس کا اپنا ایک مخصوص مزاج ہے اور گو کہ اس کے دامن کی وسعت دوسری زبانوں سے ہجرت کرنے والے لفظوں کی آغوش بن جاتی ہے مگر مستقل طور پر صرف انہیں قبول کرتی ہے جو اس کے مزاج سے لگا کھاتے ہیں یا خود کو اس کے مزاج میں ڈھال لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جب اس کے مزاج میں ڈھل جاتے ہیں تو اسی کے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی اصل زبانوں یعنی عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی اور پرتگالی وغیرہ سے وہ رشتہ قائم نہیں رہ جاتا جس کا تقاضہ ہو کہ ان کو ان کے اصل تلفظ کے ساتھ ادا کیا جائے اور لازماً ان کے اصل معنوں میں استعمال کیا جائے۔ مشاہدہ ہے کہ اردو میں انگریزی کے زیادہ سے زیادہ الفاظ استعمال کرنے کے شائق اونچی سوسائٹی کے وہ انگریزی داں حضرات جو انگریزوں اور امریکیوں کی طرح خالص برطانوی یا امریکی لہجے میں انگریزی بولنے پر فخر کرتے ہیں وہ بھی جب اردو میں انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں تو ان کا لہجہ امریکی یا برطانوی نہیں رہ جاتا اور وہ اس طرح ان لفظوں کو ادا کرتے ہیں جس طرح وہ اردو میں رائج ہیں۔ اردو کے معروف اور مستند اہل زبان جناب جعفر علی خاں اثر لکھنوی اپنی فرہنگ میں لکھتے ہیں کہ ”اردو بجائے خود ایک زبان ہے جس نے دوسری زبانوں کے الفاظ میں نہ معلوم کیا کیا تصرفات کر ڈالے ہیں۔“ ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ ”اردو میں اس قبیل کے نہ معلوم کتنے الفاظ وضع کر لئے گئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اردو آزاد زبان ہے، لکیر کی فقیر نہیں۔“

ابتداء کی گفتگو میں یہ بات کہی جا چکی ہے کہ علمائے دین اور عوام کی زبان کے مقابلہ میں خواص یا شرفاء کی زبان جس کو نکسالی زبان بھی کہا جاتا ہے، وہی مستند اور معیاری ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی کہی جا چکی ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے والے لفظوں پر اس ہجرت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں ان کو ہر ادینا ضروری ہے۔ چنانچہ پھر ملاحظہ فرمائیے کہ جب کوئی لفظ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتا ہے تو اس میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں آتی ہیں یا آسکتی ہیں۔

- ۱- بیشتر حالات میں اس کا تلفظ بدل جاتا ہے۔
 - ۲- بعض حالات میں اس کے معنی، مفہوم اور محل استعمال بھی بدل جاتے ہیں۔
 - ۳- کبھی کبھی اس کا املا بھی بدل جاتا ہے۔
- اب ان تبدیلیوں کی مثالیں ملاحظہ ہوں جن کا مآخذ ”نور اللغات“ اور فرہنگ اثر“ ہیں جو ”نور اللغات“ کی غلطیوں کی نشاندہی اور تصحیح کے لئے جناب جعفر علی خاں اثر نے لکھی تھی۔

تلفظ بدل جانے کی مثالیں

- ۱- حقارت بمعنی خواری، اہانت، خفت اور سبکی عربی لفظ ہے۔ اس کا تلفظ عربی میں بفتح اول بروزن بصارت ہے مگر اردو میں آکر بکسر اول بروزن اطاعت ہو گیا۔
- ۲- حبشی۔ (باشدہ حبش) عربی میں بفتح اول و دوم ہے مگر اردو میں بسکون دوم زبانوں پر ہے۔
- ۳- فرار۔ (بھاگنا) عربی میں بکسر اول ہے مگر اردو میں بفتح اول زبانوں پر ہے
- ۴- کارو۔ (چھری، چاقو) اصل میں رائے مہملہ موقوف ہے مگر اردو میں بفتح را ہے۔
- ۵- پلاؤ۔ فارسی میں بفتح اول ہے مگر اردو میں کوئی فارسی داں بھی بفتح اول نہیں کہتا، سب بضم اول کہتے ہیں
- ۶- رفاقت۔ (ہمراہی کرنا) اصل میں بفتح اول و چہارم ہے مگر اردو میں بکسر اول و بفتح چہارم ہے۔
- ۷- رکاب۔ اصل میں بکسر اول ہے مگر اردو میں بفتح اول مستعمل ہے۔

۸- رکابی۔ یہ بھی اصلاً بکسرِ اول ہے مگر اردو میں اس کا تلفظ بفتحِ اول ہے۔

۹- مقصد۔ عربی میں بکسرِ سوم ہے مگر اردو میں عالمِ جاہل سب بفتحِ سوم بولتے ہیں۔

۱۰- ساعد۔ یہ بھی عربی بکسرِ سوم ہے مگر اردو میں تلفظ بفتحِ سوم ہے۔

۱۱- جرس۔ عربی میں بسکونِ راہ ہے مگر فارسی اور اردو میں دونوں میں بفتحِ راہ ہے۔ لکھنؤ اور دہلی سے لے کر لاہور اور کراچی تک کوئی بسکونِ راہِ نظم نہیں کرتا اور نہ بولتا ہے۔

۱۲- صفر۔ عربی میں بکسرِ سوم ہے مگر اردو میں بکسرِ فتحِ دوم رائج ہے۔

۱۳- صندوق۔ عربی میں بضمِ اول ہے مگر فارسی اور اردو میں بفتحِ اول۔ عوام و خواص میں کوئی بھی بضمِ اول نہیں بولتا۔

۱۴- شمع۔ عربی میں بفتحِ و تشدید دوم مفتوح ہے (یعنی مقدار، قلیل، تھوڑا) مگر اردو میں بکسرِ سوم ہے۔

۱۵- شمع۔ عربی بفتحِ اول و دوم و سکونِ سوم ہے۔ مگر فارسی اور اردو میں بسکونِ دوم و سوم ہے۔

۱۶- صندل۔ اصل تلفظ چندل تھا۔ معرّب ہو کر صندل ہو گیا اور یہی تلفظ اردو میں ہے۔

۱۷- چپقلش۔ ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کا اصل تلفظ بفتح و فتحِ سوم و چہارم ہے مگر موردِ ہو کر (اردو میں آ کر) بکسرِ چہارم ہو گیا۔

۱۸- حاتم۔ عربی میں بکسرِ سوم مگر اردو میں بفتحِ سوم ہے

۱۹- حشمت۔ عربی بکسرِ فتحِ سوم تھا۔ موردِ ہو کے بفتحِ فتحِ سوم ہو گیا۔

۲۰- ہنّٰق۔ (عربی) اردو میں ہنّٰق کہا جاتا ہے۔

یہ محض چند مثالیں ہیں ورنہ ایسی سینکڑوں لفظیں ہیں جن کا اصل تلفظ کچھ اور مگر اردو میں منتقل ہونے کے بعد کچھ اور ہو گیا۔

اس سلسلہ میں صاحبِ نور اللغات کی آراء اور اقوال پر جناب

جعفر علی خاں اثر کے چند دلچسپ تبصرے بھی ملاحظہ ہوں:

نور اللغات: حقارت (عربی) بکسرِ اول غلط ہے۔

اثر۔ بکسرِ اول غلط ہے تو ہو۔ اردو میں یونہی صحیح ہے اور فتحِ اول غلط۔

نور اللغات: حبشی (باشندہ حبش) بفتحِ اول و دوم

اثر۔ حبشی کو اردو میں اگر کوئی بجائے سکونِ دوم بفتحِ اول و دوم بولے تو

عربی سے واقف مگر اردو میں بالکل کورا سمجھا جائے۔

نور اللغات: فرار (عربی) بکسرِ اول صحیح اور فتحِ اول غلط۔

اثر۔ عربی میں جو کچھ ہو۔ اردو میں بفتحِ اول ہے اور یونہی فصیح ہے۔

نور اللغات: کار۔ رائے مہملہ موقوف و بہ حرکت را غلط ہے

اثر۔ غلط ہے تو ہوا کرے۔ اردو میں بفتحِ راہ ہے اور اسی طرح فصیح ہے

نور اللغات: رفاقت۔ بفتحِ اول و چہارم۔ بکسرِ اول غلط ہے

اثر: اردو میں بکسرِ اول غلط ہوتے صحیح ہے کیونکہ اردو میں اسی طرح

رائج ہے۔ بقول آتش روم جائیں گے تو بیگم بفتحِ گاف کو بیگم

بضمِ گاف بولیں گے۔ ایسے الفاظ کی ایک معقول تعداد ہے۔

نور اللغات: رکاب۔ بکسرِ اول۔

اثر: اردو میں بفتحِ اول بولتے ہیں کون رکاب دار کو رکاب دار کہے گا۔

نور اللغات: شمع۔ بفتح و تشدید دوم مفتوح۔ اس کا تلفظ بکسرِ غلط ہے

اثر: اردو میں کوئی شمع بفتح بولے تو گوار بنے۔ اردو زبان کا رخ

دیکھئے۔ عربی فارسی کی اندھی تقلید کو خیر باد کہیئے۔

نور اللغات: خباثت۔ بفتحِ اول۔

اثر: عربی میں جو کچھ ہو، اردو میں بکسرِ اول بولتے ہیں۔

معنی و مفہوم محل استعمال بدل جانے کی مثالیں

اختصار کے ساتھ اب کچھ مثالیں معنی و مفہوم وغیرہ بدل جانے

کی ملاحظہ ہوں:

۱- راشی۔ (عربی) رشوت دینے والا۔ عربی کی رو سے رشوت

لینے والے کو راشی کہنا غلط ہے۔ اس کے واسطے مرتشی صحیح ہے

مگر اردو میں رشوت لینے والے ہی کو راشی کہتے ہیں۔ مرتشی

اردو میں رائج ہی نہیں۔ بقول اثر عربی میں جو کچھ ہوا اردو میں

راشی رشوت لینے والا ہے اور جہاں تک اردو کا تعلق ہے اس

معنی میں راشی صحیح اور مرثی غلط ہے۔

۲- جدول: عربی میں بمعنی نہر ہے مگر فارسی میں صفحہ کے چاروں طرف کے خطوط کو کہتے ہیں، اور یہی مفہوم اردو میں ہے۔

۳- جرس۔ عربی میں آوازِ نرم کو کہتے ہیں جبکہ اردو میں فارسی کی طرح اس کا مطلب ہے وہ گھنٹہ جو قافلہ کے کوچ کے وقت بجاتے ہیں۔

۴- جذبہ۔ عربی میں بمعنی مسافت بعیدہ ہے جبکہ اردو میں ان معنی سے کوئی نسبت بھی نہیں۔ بلکہ اردو میں مثل فارسی کے اس کے معنی دل کا جوش، کشش اور ولولہ ہیں۔

۵- حسرت: عربی میں افسوس، پشیمانی اور تاسف مگر فارسی اور اردو میں آرزو، ارمان اور تمنائوں وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہے۔

۶- دست: فارسی میں بمعنی ہاتھ مگر اردو میں آکر بغیر عطف و اضافت استعمال ہو تو اسہال کے معنی دیتا ہے۔

۷- جناب: عربی میں صرف درگاہ اور آستانہ کے معنی میں ہے مگر فارسی کی طرح اردو میں حضرت قبلہ اور حضور وغیرہ کے کلماتِ احترام کے طور پر بھی مستعمل ہے۔

اختصار کے پیش نظر اتنی مثالیں کافی ہیں۔

املا بد لئے کی مثالیں

آئیے اب املا بد لئے کی دو چار مثالیں دیکھ لیں۔

۱- توفان: مورد ہو کر اس کا املا 'طوفان' ہو گیا۔

۲- تومار: اس کا مورد املا بھی 'طومار' ہے۔

۳- سپیل: فارسی سے عربی اور اردو میں آیا تو 'صفیر' ہو گیا۔

۴- سنخرف: عربی میں سین مہملہ سے ہے مگر فارسی اور اردو میں اس کا املا تلفظ بدلنے کے ساتھ 'سنخرف' اور 'شنگرف' ہو گیا۔

۵- چندل: عربی، فارسی اور اردو میں تلفظ اور املا 'صندل' ہے۔

۶- ہنق: مورد ہوا تو ہونق املا ہو گیا۔

۷- خراتین: فارسی سے معرب ہو کر 'خراطین' لکھا جانے لگا۔

یہ چند مثالیں میرے نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

کبھی کبھی تذکیر و تانیث میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں مثالوں کی ضرورت نہیں اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ دہلی اور لکھنؤ میں درجنوں لفظوں کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے۔ بعض لفظ جو لکھنؤ میں مذکر بولے جاتے ہیں وہ دہلی میں مؤنث ہیں اور بعض لفظ لکھنؤ میں مؤنث بولے جاتے ہیں وہ دہلی میں مذکر ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایک جگہ لفظ کی جنس اصل زبان کے مطابق ہے اور دوسری جگہ اس میں تبدیلی آ گئی ہے۔

آخر میں لفظ 'سانس' کے تذکیر و تانیث پر ایک نظر ڈال لی جائے جس کا ذکر ابتداء ہی میں آچکا ہے اور جس پر میرے کرم فرما مجھ سے ناخوش ہو گئے تھے۔

'سانس' ہندی لفظ ہے۔ لکھنؤ میں بالاتفاق مؤنث ہے۔ کوئی مذکر نہیں بولتا۔ دہلی میں مختلف فیہ ہے۔ کوئی مؤنث بولتا ہے، کوئی مذکر، قلعہ معلیٰ کی زبان کے مطابق مؤنث ہی ہے چنانچہ بہادر شاہ ظفر کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ٹھنڈی ٹھنڈی جو کوئی سانس ہے آتی جاتی

دل میں ہے آگ مرے اور لگاتی جاتی

دبستان لکھنؤ کے اسناد ملاحظہ ہوں:

مرزا دبیر:

زین العباء کے پاؤں میں زنجیر پڑ گئی

پیدل جو چند گام چلے سانس اکھڑ گئی

میر انیس:

سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی

میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کروں گی

امیر:

بڑھا ہجر میں اس قدر ضعفِ دل

مجھے سانس لینی بھی مشکل ہوئی

شعور:

سانس چلتی نہیں سینے میں شعور

سائنس دیکھی تن بسل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے
مصطفیٰ نے بھی مونث کہا ہے:

سائنس سینے سے کچھ اوپر کو چڑھی جاتی ہے
وقت آیا ہے مگر آج برابر میرا
کسی اور کا شعر ہے:

کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد
سینے میں ہوگی سانس اڑی دو گھڑی کے بعد
البتہ داغ نے مذکر کہا ہے:

دیکھ لینے کو ترسے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمارِ غمِ ہجر میں کیا رکھا ہے
چنانچہ طے پایا گیا کہ اہل زبان کی اکثریت جر
دہلی بھی شامل ہیں سانس کو مونث بولتی ہے جبکہ اہل
طبقت اسے مذکر بولتا ہے۔

بہر حال مندرجہ بالا بحث سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ جو الفاظ دوسری زبانوں سے ہجرت کر کے اردو کی دنیا میں آباد ہو گئے ہیں اور اس میں اس کے مزاج میں ڈھل گئے ہیں وہ اب اردو کے الفاظ ہیں۔ ان کے تلفظ، معنی و مفاہیم اور املا وغیرہ میں اردو کے مزاج کے مطابق تبدیلیاں آچکی ہیں اور اس اعتبار سے ان کا اپنی اصل زبان یا اصلی ماخذ سے وہ رشتہ قائم نہیں رہ گیا ہے کہ ان کو اسی تلفظ کے ساتھ ادا کیا جائے یا انہیں معانی میں استعمال کیا جائے اور اسی املا کے مطابق لکھا جائے۔ چنانچہ عربی داں حضرات یا عربی دانی کے مدعی حضرات کا اس بارے میں اصرار غلط بھی ہے، اور غیر ضروری بھی۔ یہ ایک طرح سے اردو کو عربی میں بولنے کی سعی لا حاصل ہے اور اس کا نتیجہ زبان کو بگاڑنے، معیار سے گرانے اور اس کا

حسن غارت کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ علمائے کرام بھی اپنی زبان بدل دیں۔ ان کے علمی اور دینی منصب کا تقاضہ ہے کہ وہ عربی الاصل الفاظ کو صحیح عربی تلفظ بلکہ صحیح مخارج کے ساتھ ادا کیا کریں۔ چونکہ ان کی عربی دانی مسلم ہے اور ان کی اردو ٹکسالی نہیں سمجھی جاتی اس لئے ان سے زبان کو نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مگر ان کا یہ اصرار بہر حال غلط ہے کہ اردو میں مروج عربی الفاظ کو عربی تلفظ کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے۔ اردو کو اردو ہی رہنے دیجئے۔ اسے عربی لبادہ اوڑھانے اور عبا، قبا میں ملبوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس ضمن میں آتش کا یہ قول، قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے کہ جب ترکی زبان میں شعر کہیں گے تو بیگم (فتحِ سوم) کو بیگم (بضمِ سوم) یعنی ترکی لفظ کے ساتھ ہی نظم کریں گے، مگر اردو میں تو بیگمِ مفتوحِ سوم ہی ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۲۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پر)

رباعیاں

خدائے سخن حضرت میر انیس علی اللہ مقامہ

آدم کو عجب خدا نے رتبہ بخشا
ادنیٰ کے لئے مقام اعلیٰ بخشا
عقل و ہنر و تمیز و حبان و ایماں
اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا



دنیا میں محمدؐ شہنشاہ نہیں
کس راز سے حنّٰلِق کے وہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ قُربِ معراج، انیس
حنا موش، کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں



مرثیہ ماں (بند/۲۰)

بنت زہرا نقوی ندی الہندی

(۱)

عشق و ایثار کی تعمیر ہے ماں
رحم کی بولتی تصویر ہے ماں
لفظِ رحمان کی تفسیر ہے ماں
نوعِ انساں! تری تقدیر ہے ماں

ماں کا احسان ہے ساری دنیا
ماں پہ قربان ہے ساری دنیا

(۲)

مہرِ احسان ہے ممتا کا کرم
روحِ عرفان ہے ممتا کا کرم
دین و ایمان ہے ممتا کا کرم
جان ہی جان ہے ممتا کا کرم

جان بے جان ہے ممتا کے پنا
دنیا ویران ہے ممتا کے پنا

(۳)

حال، آئندہ ہے بس ماں کے طفیل
دھرتی پائندہ ہے بس ماں کے طفیل
دنیا تابندہ ہے بس ماں کے طفیل
آدمی زندہ ہے بس ماں کے طفیل

بے مکیں، سارا مکاں مر جاتا
یہ نہ ہوتی تو جہاں مر جاتا

(۴)

با ہنر ماں کا قصیدہ خواں ہے
پُر جگر ماں کا قصیدہ خواں ہے
با اثر ماں کا قصیدہ خواں ہے
ہر بشر ماں کا قصیدہ خواں ہے

مرتبے ماں کے سوا ہوتے ہیں
انبیاء ماں پہ فدا ہوتے ہیں

(۵)

بانیِ محفلِ آدمِ ماں ہے
رونقِ گلشنِ عالمِ ماں ہے
دمِ ہر اک کے لئے تا دمِ ماں ہے
گلِ جہاں پیاسا ہے، زمزمِ ماں ہے

جرات و طرزِ بیاں دیتی ہے ماں
بے زبانوں کو زباں دیتی ہے ماں

(۶)

سارے رشتوں میں معظمِ ممتا
حق پرستوں میں مکرمِ ممتا
ساری خلقت کی ہے ہمدمِ ممتا
گلِ زمانے کی ہے محرمِ ممتا

اسکے دامن میں ہر اک عظمت ہے
ماں کے قدموں کے تلے جنت ہے

(۷)

نوع انسان کی بانی ماں ہے
رحمت حق کی نشانی ماں ہے
عزم و ہمت کی جوانی ماں ہے
کھانا ہے باپ تو پانی ماں ہے
ماں کی توصیف تو ممکن ہی نہیں
اس کی تعریف تو ممکن ہی نہیں

(۸)

ماں کی آغوش عجب دنیا ہے
وہ کہ آرام کا گہوارا ہے
جس میں ہر چین سے بس جینا ہے
دل کی مانو! تو یہی کعبہ ہے
لطف یہ اور کہیں ملتا ہے
ایسا آرام نہیں ملتا ہے

(۹)

بچے چونکے تو جھجک جاتی ہے ماں
مسکرا دے تو چمک جاتی ہے ماں
ذرا تڑپے تو بلک جاتی ہے ماں
ایک آنسو پہ چھلک جاتی ہے ماں
اپنے سائے میں لئے پھرتی ہے
بچے کو جان دیئے پھرتی ہے

(۱۰)

مائیں ممتاز جو ہیں، حوّا ہیں
فاطمہؑ، ہاجرہؑ اور سارّاؑ ہیں
کبھی مریمؑ تو کبھی حنّہؑ ہیں
گہہ خدیجہؑ تو کبھی زہراؑ ہیں
باٹو ہیں، زینبؑ و لیلیٰؑ بھی ہیں
مادرِ اصغرؑ و فروہؑ بھی ہیں

(۱۱)

ہاں مگر ماؤں میں بہتر زہراؑ
رہبروں کے لئے رہبر زہراؑ
زوجہٗ نفسِ پیہر زہراؑ
گیارہ معصوموں کی مادر زہراؑ
سیدہٗ خود دلِ عالم نے کہا
جس کو ماں مرسلِ اعظمؑ نے کہا

(۱۲)

جو ہے قرآن میں قُربٰی وہی ماں
جو بزرگوں میں ہے عظمٰی وہی ماں
جو علیوں میں ہے عُلیٰ وہی ماں
راہِ نعمت میں ہے نُعمٰی وہی ماں
جس کی تکریم کو ازہد اٹھیں
جس کی تعظیم کو احمد اٹھیں

(۱۳)

جس کی ماں محسنہٗ دینِ علیؑ
جس کا بابا ہے جہانوں کا نبیؑ
جس کے بیٹے ہیں ولی ابنِ ولی
جس کا شوہر ہے محمدؐ کا وصی
مرکزِ عصمتیاں کہتے ہیں
جسے خاتونِ جنّاں کہتے ہیں

(۱۴)

جس کا غم آج بپا ہے، ماں ہے
جس پہ یہ آہ و بُکا ہے، ماں ہے
یاد میں جس کی عزا ہے، ماں ہے
جس سے گھر سونا ہوا ہے، ماں ہے
وہ مکین جس پہ کہ خود گھر رویا
بے تحاشا جسے گھر بھر رویا

(19)

فاطمہؑ کے لئے حیدرؑ روئے
 زینبؑ و حضرت شہرؑ روئے
 ساتھ کلثومؑ کے سروؑ روئے
 چاہنے والے بھی حد بھر روئے
 ہاں مگر بعد شہادت شہؑ پر
 رو سکی آل، نہ کوئی خواہر

(۲۰)

رونے پر بیٹی طمانچہ کھائے
 مشکلیں سہہ کے جہاں سے گذرے
 سوگواروں نے عجب داغ سہے
 اے ندی کس میں ہے دم، غم لکھے
 چہرے بھی آنسوؤں سے دھو نہ سکے
 رونے والے تھے مگر رو نہ سکے

(14)

(بقیہ صفحہ نمبر ۴۹)----- (کا)
بقول جعفر علی خاں اثر:
”اردو بجائے خود ایک زبان ہے جس نے دوسری
زبانوں کے الفاظ میں نہ معلوم کیا کیا تصرفات کر ڈالے ہیں۔“
اسی طرح ایک لفظ پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:
”اردو میں اس قبیل کے نہ معلوم کتنے الفاظ وضع کر لئے
گئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اردو ایک آزاد زبان ہے،
لکیر کی فقیر نہیں۔“ عربی کے وہ الفاظ جو اردو کے مزاج میں
ڈھل کر اس کا جز و بن چکے ہیں ان کو اردو میں عربی تلفظ کے
ساتھ بولنے سے عربی دانی کا سکہ تو بیٹھ سکتا ہے مگر اردو دانی کا
بھر م کھل جائے گا۔ اس لئے جعفر علی خاں اثر کا یہ مشورہ جو
انہوں نے لفظ شممہ کے تلفظ پر بحث کرتے ہوئے دیا، ہر
اعتبار سے صائب ہے اور اردو کی ترقی کی راہ میں سپراخ
منزل کی حیثیت رکھتا ہے کہ ”اردو کا رخ دیکھئے۔ عربی، فارسی
کی اندھی غلامانہ تقلید کو خیر باد کہیئے۔“

(1A)

جی جلے ہیں کہ چھٹے ہیں ماں سے
 اُلجھے سے ہیں کہ چھٹے ہیں ماں سے
 دل کڑھے ہیں کہ چھٹے ہیں ماں سے
 رو رہے ہیں کہ چھٹے ہیں ماں سے
 وہی بتلائیں گے کیا یہ غم ہے
 ہاں بہت درد بھرا یہ غم ہے

مرثیہ باپ (بند/۲۰)

بنت زہرا نقوی ندی الہندی

(۴)

بیٹا حد درجہ قوی تر ہے پدر کے ہوتے
کچھ نہ ہو پھر بھی تو نگر ہے پدر کے ہوتے
اپنے میں ایک سکندر ہے پدر کے ہوتے
اک چمکتا ہوا اختر ہے پدر کے ہوتے
باپ مر جائے تو اولاد سہارا ڈھونڈے
ڈر کے منجدھار سے فی الفور کنار ڈھونڈے

(۵)

باپ ہو نیک تو اولاد کو تارا کر دے
چمک اخلاق کی دے دے کے منارا کر دے
بے سہاروں کا بھی تیار سہارا کر دے
اپنے پیارے کو زمانے کا دُلا کر دے
اپنے اک نورِ نظر کو مہِ انور کر دے
ایک قطرے کو جو چاہے تو سمندر کر دے

(۶)

نیک اولاد زمانے میں ہے تارے کی طرح
راہ بتلاتی ہے دنیا کو منارے کی طرح
سارے طوفان زدوں کو ہے کنارے کی طرح
بے سہاروں کے لئے ہے وہ سہارے کی طرح
سچے اقوال دکھا دیتے ہیں سورج اُس کو
اچھے اعمال بنا دیتے ہیں سورج اُس کو

(۱)

بخدا پیکرِ صد راحت و احسان ہے باپ
تر بیت گہ میں نمائندہ رحمان ہے باپ
اہل خانہ کے لئے عیش کا سامان ہے باپ
کہیں نوکر ہو مگر گھر میں تو سلطان ہے باپ
بچوں کے چہرے ہیں روشن تو اسی کے دم سے
ایک گلشن سا ہے مسکن تو اسی کے دم سے

(۲)

باپ لا ریب ہے دنیا میں عطا کا پُتلا
کبھی ایثار، کبھی جود و سخا کا پُتلا
کبھی حکمت کا، کبھی یہ ہے ولا کا پُتلا
بیٹوں کے واسطے ہے فضلِ خدا کا پُتلا
عملِ نیک سے قسمت یہ لکھا کرتا ہے
اسکی محنت سے پسر راج کیا کرتا ہے

(۳)

اِس کا دنیا میں بھلا کوئی بھی ہم پایہ ہے
یہی سرنامہ ہے اور ہاں یہی سرمایہ ہے
یہی پھل دیتا ہے دنیا کو، یہی چھایہ ہے
اِبرِ رحمت جسے سمجھے ہو یہ وہ سایہ ہے
اِسی سایے میں ہر اک نشو و نما ہوتی ہے
اِسی سایے میں ترقی کی بنا ہوتی ہے

(۷)

باپ دنیا میں نہیں کوئی پیمر جیسا
ماں نہ زہرا کی طرح، باپ نہ حیدر جیسا
نہ ملا حضرت شبیرؑ، نہ شبرؑ جیسا
کب ملا کوئی بھی معصوم کے یکسر جیسا
باپ بھی ایسے نہ گر ہاتھ لگے دنیا کو
بیٹے بھی ان کی طرح مل نہ سکے دنیا کو

(۸)

وہی حیدرؑ جسے طاقت میں غضنفر کہتے
دیکھ ثابت قدمی، کوہ کا پیکر کہتے
رقتِ قلب پہ زمزم، کبھی کوثر کہتے
ہر صفت کے لئے موصوف کو حیدرؑ کہتے
ایسے بچوں کے پدر چرخ نے کب دیکھے ہیں
ایسے بابا کے پسر چرخ نے کب دیکھے ہیں

(۹)

ان کی طاقت کے قصیدے میں کوئی کیا لکھے
عزم و ہمت کے قصیدے میں کوئی کیا لکھے
علم و حکمت کے قصیدے میں کوئی کیا لکھے
فضل و رحمت کے قصیدے میں کوئی کیا لکھے
دستِ اللہ تو بازوئے نبیؐ بن کے رہے
یہ بلندی ہے کہ دنیا میں علیؑ بن کے رہے

(۱۰)

مالکِ مخزنِ خشکی و تری، حیدرؑ ہیں
جن پہ قربان رہیں سارے سخی، حیدرؑ ہیں
ہر زمانے میں زمانے کے ولی، حیدرؑ ہیں
نور خود کہتا ہے ہم جنسِ نبیؐ، حیدرؑ ہیں
اُن سا بس مرسلِ امجد کے سوا کوئی نہیں
اُنکے اوصاف کا احمدؑ کے سوا کوئی نہیں

(۱۱)

جس نے ایمان کی تقدیر بنائی وہ علیؑ
جس نے عرفان کی توقیر بڑھائی وہ علیؑ
جس نے احسان کی تنویر بچھائی وہ علیؑ
جس نے قرآن کی تحریر بچائی وہ علیؑ
کی ہے اللہ نے دنیا کی بنا جس کے لئے
جو خدا کے لئے ہے اور خدا جس کے لئے

(۱۲)

نفسِ اللہ و رسولؐ دوسرا بن کے رہا
گلِ جہانوں پہ رچی کی گھٹا بن کے رہا
سورۂ دہر پڑھو عینِ عطا بن کے رہا
بھیک دنیا کو ملی، دستِ خدا بن کے رہا
جس کی اک ضربِ عبادت سے سوا ہو جائے
نفس ایسا کہ خریدار خدا ہو جائے

(۱۳)

جس کو توحید نے کعبہ میں بلایا وہ علیؑ
جس کو خالق نے ہر اک طرح سجایا وہ علیؑ
جس کو کاندھوں پہ محمدؐ نے اٹھایا وہ علیؑ
جو نبوت کے لئے بن گیا سایہ وہ علیؑ
اپنا گھر مخزنِ توحید بنا کر رکھا
جس نے اسلام کو خورشید بنا کر رکھا

(۱۴)

وہ سخی جس کی سخاوت کے ہیں چرچے ہر سو
وہ جری جس کی شجاعت کے ہیں چرچے ہر سو
وہ ولی جس کی ولایت کے ہیں چرچے ہر سو
عبد وہ جس کی عبادت کے ہیں چرچے ہر سو
ایسی آمد کہ ولادت ہو خدا کے گھر میں
ایسی رخصت کہ شہادت ہو خدا کے گھر میں

(۱۵)

عبدِ غفار کو مقتول کیا مسجد میں
شاہِ بیدار کو مقتول کیا مسجد میں
ایک جزار کو مقتول کیا مسجد میں
ایسے کردار کو مقتول کیا مسجد میں
عاشق ایسا کہ ہوا جذبہ صادق میں شہید
ساجد ایسا کہ ہوا سجدہ خالق میں شہید

(۱۶)

ضرب لگتے ہی ہوا حشرِ بپا، عالم میں
گریہ گُن ہو گئی مخلوقِ خدا، عالم میں
آ گیا موسمِ فریاد و بُکا، عالم میں
ایک ماحول ہوا درد بھرا، عالم میں
بیٹوں اور بیٹیوں کے رونے سے تھرایا جہاں
سوگوارانہ نظر آنے لگے کون و مکان

(۱۷)

بیٹیاں بیٹے ہیں دلگیر کہ بابا نہ رہے
جاں گسل ہے یہی تقریر کہ بابا نہ رہے
غمزدہ سب کی ہے تقدیر کہ بابا نہ رہے
روتے ہیں شبیر و شبیر کہ بابا نہ رہے
آہ و زاری سے ہر اک شیشہ دل ٹوٹ گیا
کتنے معصوموں سے حیدر سا پدر چھوٹ گیا

(۱۸)

مرنے سے حیدرِ صفر کے یہ دنیا ہے اُداس
رونے سے آلِ پیمبر کے یہ دنیا ہے اُداس
کتنا، کھو جانے سے رہبر کے یہ دنیا ہے اُداس
گریہ سے بیکس و مضطر کے یہ دنیا ہے اُداس
وحش و طیر و ملک و آدم و جاں روتے ہیں
ایسا غم ہے کہ سبھی پیر و جواں روتے ہیں

(۱۹)

رو کے کہتے ہیں یہ بیمار، دوا آئی نہیں
کتنے نادار تڑپتے ہیں غذا، آئی نہیں
کتنے اندھوں کو مسیحا کی صدا، آئی نہیں
غمزدہ کہتے ہیں راحت کی ہوا، آئی نہیں
ہر طرف غم کا اثر لے کے ہوا آتی ہے
کتنا رونے کی یتیموں کے صدا آتی ہے

(۲۰)

خانہ آلِ پیمبر میں بپا ہے ماتم
کس قدر مسکنِ حیدر میں بپا ہے ماتم
شہر کے آج تو ہر گھر میں بپا ہے ماتم
کیسا غم ہے کہ جہاں بھر میں بپا ہے ماتم
اے ندی باپ زمانے کا جو مر جاتا ہے
دیکھو کس طرح سے شیرازہ بکھر جاتا ہے



(بقیہ صفحہ ۵۷-----کا)

(۱۵)

بس حسین روک قلم، غم سے ہیں آنکھیں خونبار
یہ الم وہ ہے کہ جس سے نہیں ہر دل کو مترار
باغِ زہرا و پیمبر کی مٹی رن میں ہمار
مرطبی روتے ہیں، شبر کا کلیجہ ہے فگار
قتلِ شبیر سے بدلی ہے ہوا عالم کی
باغِ فردوس سے آتی ہے صدا ماتم کی



مرثیہ در حال اہل حرم (بند/۱۵)

شاعر اُمّی سید صادق علی نقوی ”چھنگا صاحب“ حسین جاسی

(۵)

الغرض آ گیا نزدیک جو با حالت زار
اُسکے چہرے پہ نظر کرتے تھے عابد ہر بار
دل سے فرماتے تھے رو رو کے بچشمِ خونبار
یہ بھی شاید ہے کوئی عاشقِ شاہِ ابرار
دشمنِ آلِ نبیؐ اس کو نہیں پاتا ہوں
سب تو ہیں شاد مگر اس کو حزیں پاتا ہوں

(۶)

الغرض عابدِ مضطرؑ نے یہ اس سے پوچھا
مضطرب دیکھ کے ہم سب کو ہے کیوں دل تیرا
کس کو تو ڈھونڈھتا ہے دھیان ہے آخر کس کا
دل کو تڑپاتا ہے اترا ہوا تیرا چہرا
جو ترے دل کا ہے عالم وہ بتا دے مجھکو
کس محلّے میں تو رہتا ہے بتا دے مجھکو

(۷)

یہ بتا اصل ترے رہنے کا ہے کون دیار
کس قبیلے سے ہے تو، تو یہ ذرا کر اظہار
نام کیا تیرے بزرگوں کا ہے اے نیک شعار
اتنا بیتاب ہے کیوں، کس کا ہے شوقِ دیدار
غور سے دیکھتا ہے تو، نہیں کیا جانتا ہے
جن کے جن کے ہیں یہ سر کیا انہیں پہچانتا ہے

(۸)

عرض کی اس نے کہ اے قیدیِ ظلمِ اعدا
دل کی حالت ہے عجب آپ سے بتلائیں کیا
باپ پردیس میں میرے ہیں کرے خیر خدا
یاں سے نزدیک ہے، کہتے ہیں جسے کرب و بلا
انبیاءؑ نے بھی وہیں رنج و الم پائے ہیں
واں مدینے سے حسینؑ ابن علیؑ آئے ہیں

(۱)

آئے جب دشتِ مصیبت سے حرمِ کوفہ میں
سر برہنہ تھے اسیرانِ ستمِ کوفہ میں
شرم سے اٹھ نہیں سکتے تھے قدمِ کوفہ میں
دل جلاتے تھے بہت آتشِ غمِ کوفہ میں
بھیڑ اعدا کی جو تھی، سر کو جھکائے ہوئے تھیں
بی بیاں بالوں سے منہ اپنا چھپائے ہوئے تھیں

(۲)

اس طرح لکھتا ہے اک راویِ مجروحِ جگر
واردِ کوفہ ہوئے تھے جو وہ قیدی، مضطر
آگے آگے تو سنانوں پہ علم تھے کئے سر
گردِ بیمار کے تھے تیغِ کف بانیِ شر
مجمعِ عام تھا بازار میں شرماتے تھے
ظلم کرتے ہوئے جلاد لئے جاتے تھے

(۳)

گمہ تھی تیروں پہ کبھی عابدِ مضطرؑ پہ نظر
دیکھتا جاتا تھا گھبرا کے ادھر اور ادھر
فکر سے زرد وہ چہرہ تھا عرق میں ہے جو تر
دل سے کہتا ہوا یہ آتا تھا وہ رشکِ قمر
رنگ ہیں زرد اور اس پر غم و آفات ہیں یہ
نورِ چہروں کے یہ کہتے تھے کہ سادات ہیں یہ

(۴)

پوچھ سکتا تھا نہ کچھ عابدِ مضطر سے مگر
پاس جا سکتا نہ تھا گھیرے ہوئے تھا لشکر
دور سے ساتھ چلا آتا تھا با دیدہ تر
فکر ایسی تھی کہ قابو میں نہ دل تھا نہ جگر
ہر قدمِ راہ میں سرگرمِ فغاں ہوتا تھا
دل کی اُلجھن کا پتہ رُخ سے عیاں ہوتا تھا

(۹)

پھنس گئے نرغہ اعدا میں شہ جن و بشر
سنتا ہوں باندھی ہے مرنے پہ شہ دیں نے کمر
بچنے کے ہیں رفیقوں میں ، نہ جانے کیونکر
نصرت شہ کو کمر باندھ کے پہنچے ہیں پدر
خود ملک جانتے ہیں طیب و طاہر اس کو
لوگ کہتے ہیں حبیب ابن مظاہر اس کو

(۱۰)

آپ بھی کیجئے یہ حق سے دعا بہر خدا
فتح ہو شاہ کی، انجام ہو بہتر سب کا
یہ سنا ہے کہ کئی لاکھ ہے فوج اعدا
کم ہے افسوس بہت لشکر شاہ والا
اشک سے چشم ہر اک نم ہے خدا خیر کرے
پنجتن میں یہی اک دم ہے خدا خیر کرے

(۱۱)

روکے کہنے لگے تب عابد مجروح جگر
ظلم جو جو ہوئے ان کی نہیں کچھ تجھ کو خبر
تشنہ لب قتل ہوئے رن میں شہ جن و بشر
جو کہ نیزہ پہ علم ہے وہ ہے شبیر کا سر
کی دغا فوج ستمگار نے معصوم کے ساتھ
سر برہنہ یہ حرم ہیں سر مظلوم کے ساتھ

(۱۲)

سورہ کہف کی کرتا ہے تلاوت جو سر
غور سے دیکھ! یہ ہے فرق شہ جن و بشر
یہ جو بچے کا ہے سر نام ہے اس کا اصغر
اور پہلو میں جو سر ہے یہ ہے فرق اکبر
آگے آگے ہیں یہ سر، فاطمہ کے پیاروں کے
پیچھے سر نیزوں پہ ہیں، شاہ کے غم خواروں کے

(۱۳)

یہ حبیب ابن مظاہر کا ہے سر اے غم گیں
فرق اطہر پہ لگی دشت میں جب تیغ لعین
اپنے رومال سے شبیر نے باندھی وہ جبین
آگیا غش تو گرے گھوڑے سے بالائے زمیں
عالم یاس میں جنت کے مسافر وہ ہوئے
شاہ لاشے پہ نہ پہنچے تھے کہ آخر وہ ہوئے

(۱۴)

سب یہ صدمے تھے دل سبط یمبر کے لئے
آپ رویا کئے ہر مونس و یاور کے لئے
کبھی اکبر کے لئے گہ علی اصغر کے لئے
کبھی ماتم کیا عباس دلاور کے لئے
کیا کہوں تجھ سے مرقع یہ غم و یاس کا ہے
گردن اسپ میں سر دیکھ لے عباس کا ہے

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۵ پر)

Mohd. Alim

Proprietor

Nukkar Printing & Binding Centre

26-Shareef Manzil, J. M. Road,

Husainabad, Lucknow-3

0522-2253371, 09839713371

e-mail: nukkar.printers@gmail.com

التماس ترحیم

مومنین کرام سے گزارش ہے کہ ایک بار سورہ حمد اور تین بار سورہ توحید کی
تلاوت فرما کر جملہ مومنین مرحومین خصوصاً مرزا محمد اکبر ابن مرزا محمد شفیع و
حسن جہاں بنت باقر علی خاں کے ارواح کو ایصال فرمائیں۔

محمد عالم

نکھر پرنٹنگ اینڈ بائڈنگ سینٹر حسین آباد، لکھنؤ

طاقتور عراق کو دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے: رہبر انقلاب اسلامی اربعین کے موقع پر عراقیوں کی میزبانی پر شکریہ

اہل بیت نیوز ایجنسی اپنا کی رپورٹ کے مطابق رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای نے عراق کے صدر برہم صالح اور اس کے ہمراہ وفد سے ملاقات میں سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے اربعین کے موقع پر عراقی عوام اور حکومت کی طرف سے ایرانی اور غیر ایرانی زائرین کی میزبانی پر شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: عراق اس وقت طاقتور ملک ہے جو امن و ثبات کی جانب گامزن ہے۔ عراق کو اپنے آشکارا اور مخفی دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔

رہبر معظم انقلاب اسلامی نے عراق میں کامیاب پارلیمانی انتخابات اور صدر، وزیراعظم اور وزراء کے شاندار انتخاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: عراقی عوام باہمی اتحاد کے ساتھ دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا دے گی اور اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں پر غلبہ عطا کرے گا عراقی حکومت اور عوام کے لئے اس سلسلے میں دوست اور دشمن کی پہچان، دشمن کے مدمقابل استقامت و پائنداری، اندرونی صلاحیتوں پر تکیہ اور مرجعیت کے ساتھ مضبوط رابطہ بہت ہی اہم امور ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی نے عراقی صدر برہم صالح کو عراق کے عظیم ملک کا صدر منتخب ہونے پر مبارکباد پیش کی اور ایران و عراق کی دو قوموں کے گہرے تاریخی اور ثقافتی رابطے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اربعین کا پیدل مارچ دونوں قوموں کے گہرے رابطہ کا مظہر ہے۔

رہبر انقلاب اسلامی نے اربعین کے پیدل مارچ میں دو ملین ایرانی زائرین کی شرکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: عراقی عوام اور حکومت کی طرف سے شاندار اور بے نظیر مہمان نوازی کا سبھی ایرانی زائرین دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی نے عراق میں امن و ثبات کو ہم قرار دیتے ہوئے فرمایا: بعض علاقائی اور غیر علاقائی طاقتیں عراق میں امن و ثبات کی خواہاں نہیں ہیں اور وہ عراقی عوام کو خوشحال نہیں دیکھنا چاہتیں، وہ عراقی عوام کے لئے نئے مسائل پیدا کر کے وہاں عدم استحکام پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ لہذا عراقی حکومت کو دشمن کی سازشوں کو ناکام بنا کر عراقی عوام کے لئے خوشحالی کی راہ ہموار کرنی چاہیے۔

اس ملاقات میں ایران کے صدر حسن روحانی بھی موجود تھے۔ عراق کے صدر برہم صالح نے رہبر معظم کے ساتھ ملاقات کے سلسلے میں خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عراق سخت اور مشکل دور میں ایران کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کرے گا اور میں اس پیغام کے ساتھ ایران آیا ہوں کہ ایران اور عراق کی دو قوموں کے درمیان عمیق تاریخی اور ثقافتی پیوند ہیں جنہیں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

عراقی صدر برہم صالح نے اربعین کے موقع پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائرین کی خدمت کو عراقی عوام اور عراقی حکومت کے لئے سعادت اور فخر کا باعث قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائرین کی خدمت پر فخر حاصل ہے۔ صدر برہم صالح نے عراق میں دہشت گردی کے خاتمہ کے سلسلے میں ایرانی حکومت اور عوام کی حمایت پر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایران کے مخلصانہ تعاون کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے اور ایران و عراق کے درمیان تمام شعبوں میں باہمی تعلقات کے فروغ کے خواہاں ہیں۔

اگر تہران میں امریکی سفارتخانہ پر قبضہ نہ کیا جاتا تو انقلاب اسلامی 40 سال تک نہیں پہنچ سکتا

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنہ کی رپورٹ کے مطابق اسلامی جمہوریہ ایران کی سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کے سربراہ میجر جنرل محمد علی جعفری نے تہران میں 13 آبان کی مناسبت سے عظیم الشان ریلی سے خطاب میں امریکی جاسوس خانہ (سفارتخانہ) پر قبضہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تہران میں امریکی جاسوس خانہ پر قبضہ نہ کیا جاتا تو انقلاب اسلامی 40 سال تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ رپورٹ کے مطابق آج اسلامی جمہوریہ ایران کے دارالحکومت تہران سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں عالمی سامراج سے مقابلے کے قومی دن کی مناسبت عظیم الشان ریلیوں کا اہتمام کیا گیا جس میں ایرانی طلباء، عوام کے مختلف طبقات اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے شرکت کی۔ ایران کی فضائیں ایک بار پھر امریکہ مسردہ باد کے نعروں سے گونج گئیں۔ تہران کی مرکزی ریلی امریکی جاسوسی اڈے پر منعقد ہوئی اس ریلی سے سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی کے سربراہ جنرل محمد علی جعفری نے خطاب میں کہا کہ اگر تہران میں امریکی سفارتخانہ اور جاسوس خانہ باقی رہتا تو انقلاب اسلامی آج 40 سال تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے بعض حکام اس وقت بھی اس عمل کے خلاف تھے لیکن رہبر معظم انقلاب اسلامی سمیت بعض دیگر حکام نے اس عمل کی مکمل حمایت کی۔ انھوں نے کہا کہ اس دور میں عارضی لیبرل حکومت نے بھی انقلاب اسلامی کو مخرف کرنے کی بڑی کوشش کی۔ 13 آبان درحقیقت امریکہ کی تاریخی شکست اور اس کی کھوکھلی طاقت کے ٹوٹنے کا دن ہے۔ جنرل جعفری نے کہا کہ 13 آبان کے دن کو حضرت امام رضوان اللہ تعالیٰ نے دوسرے انقلاب سے تعبیر کیا ہے یہ دن درحقیقت انقلاب اسلامی کی امریکی طاغوت پر فتح کا دن ہے۔ جنرل جعفری نے کہا کہ امریکی فوج پر ایرانی فوج کا خوف ہراس طاری ہے امریکی فوجی کمانڈروں کو ایرانی فوج کے ساتھ لڑنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ ہماری فوج کے پختہ عزم و ایمان سے خوفزدہ ہیں ہم نے بارہا امریکی اور برطانوی فوجیوں کو خلیج فارس میں گرفتار کر کے آزاد کیا ہے ہم نے ان پر ثابت کر دیا ہے کہ ہم اپنے ملک کی کسی ریڈ لائن کو عبور کرنے کی کسی کوا جازت نہیں دیں گے۔

ام عدا صبر و استقامت کا مظہر۔ عرب حکمران ٹرمپ پر بھروسہ نہ کریں

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنہ کی رپورٹ کے مطابق حزب اللہ لبنان کے سربراہ سید حسن نصر اللہ نے شہیدان عدا مغنیہ کی والدہ مرحومہ کی مجلس ترحیم سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ شہیدان عدا مغنیہ کی والدہ مرحومہ صبر و استقامت اور پائنداری کا مظہر تھی۔ انھوں نے کہا کہ ام مغنیہ ایک باہمت، باایمان اور ذمہ دار خاتون تھیں اور انھیں عالم اسلام کے موجودہ حالات کے بارے میں اپنی ذمہ داری کا احساس تھا۔ انھوں نے کہا کہ ام مغنیہ نے اپنے بیٹوں کی اچھی تربیت کر کے انھیں معاشرے کے حوالے کیا اور ان کے فرزندوں نے بھی آخری دم تک اپنی ذمہ داری کو احسن طریقہ سے ادا کیا۔ سید حسن نصر اللہ نے علاقائی حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی پوری توجہ سعودی عرب اور اس کے اتحادی ممالک سے پیسہ وصول کرنے پر مرکوز کر رکھی ہے امریکہ کے سابق صدر سعودی عرب سے سیاسی پالیسیوں کے ذریعہ رقم وصول کرتے تھے لیکن وہی کام آج ٹرمپ آشکار اور اعلانیہ کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ٹرمپ سعودی عرب کی تحقیر اور تذلیل کر کے اس سے رقم وصول کر رہا ہے ٹرمپ کے رویہ میں کہیں بھی انسانی حقوق اور جمہوریت کی حمایت نظر نہیں آتی۔